پہلا ایڈیشن جنوری ۱۹۵۳ء

لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور میں باہتمام میاں احمد حسن عظمت چھپکر مکتبۂ عظمت چوک انارکلی لاہور سے شائع ہوئی

قیمت .. .. ۲ دو روپے

آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر آور
شمشیرِ پدر خواہی بازوئے پدر آور

اقبالؒ

اچانک ایک درویش خدا مجھ کو نظر آیا
دلِ افسردہ و زخمی پہ جس نے رکھ دیا پھایا

غموں، ناکامیوں کی فوج دم بھر میں کچل ڈالی
مری دنیائے یاس امید و ارماں سے بدل ڈالی

دلیر و مخلص و جانباز بحرِ فقر انساں نے
لیا بارِ اشاعت اپنے سر اس مردِ میداں نے

محبّت حضرتِ یامین پھلا بانس والے کی
عنایت حضرتِ یامین پھلا بانس والے کی

کیا ہر کام ترک اپنا بہت سعی اشاعت کی
مرید نیملی نے بھی مری بیحد اعانت کی

یہ دونوں صاحبانِ فقر و ہمّت ہیں مجاہد ہیں
طریقِ معرفت کے رہبر و درویش زاہد ہیں!

پیش لفظ

کسی قوم کے عروج و ارتقا کے جتنے اسباب ہیں۔ تاریخ ان میں سب سے اہم ہے۔ اسی واسطے ہر قوم نے اپنی تاریخ مرتّب کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ کیونکہ بغیر تاریخ کے کسی قوم کا بام ترقّی پر پہنچنا بہت ہی دشوار امر ہے۔

تاریخ جہاں ہم کو ہمارے آباؤ اجداد کے کارہائے نمایاں کے حالات سناتی ہے۔ وہاں ہمارے جذبات کو بھی جھنجوڑ کر بیدار کر دیتی ہے۔ اور پھر ہمارے دلوں میں بھی یہ ولولے اُٹھنے لگتے ہیں کہ کیوں نہ ہم بھی ایسے ہی کارنامے دُنیا میں کر دکھائیں۔ جیسے ہمارے اسلاف نے کئے۔ اور جن کی وجہ سے ان کے نام آج تک زندہ ہیں۔

تاریخ ایک روحانی معلم ہے۔ جو قوموں کے مردہ قلوب کو زندہ کرتی ہے۔ اسی واسطے مؤرخ کا فرض ہونا چاہئے۔ کہ تاریخ کے اوراق پر

اخلاقِ حمیدہ، شجاعت، شہادت، رحم و کرم اور خدماتِ خلق کے واقعات کو نمایاں کرے اور جو واقعات اِن صفات سے عاری ہوں۔ اِن کو تاریخ کے صفحات کی زینت بنانے سے گریز کرے۔

کِس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان کی سب سے شجاع اور دلیر قوم "میو" کی تاریخ آج تک شائع نہ ہو سکی۔ حالانکہ یہ قوم آٹھ نو صدی سے دامنِ اسلام سے وابستہ ہے۔ اور اس طویل عرصہ میں متعدّد بار اپنی تلوار کے جوہر دکھا چکی ہے۔ پرتھوی راج چوہان۔ غیاث الدین بلبن اور جلال الدین اکبر اعظم وغیرہم سے اِس قوم کی متعدد ٹکریں ہوئیں۔ لیکن کبھی ان کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا۔ زمانہ غدر میں اہلِ یورپ افرنگیوں کی مخالفت میں جتنا حصّہ اس قوم نے لیا شاید ہی کسی نے لیا ہو۔ مگر آج یہ واقعات افسانے بن کر رہ گئے۔

انقلاب ۱۹۴۷ء میں جو کارنامے اس قوم نے انجام دئے، ان کو ہندوستان و پاکستان کی کونسی قوم ہے جو نہیں جانتی۔ مگر خوف ہے کہ یہ واقعات بھی زمانہ مستقبل میں افسانے بن کر نہ رہ جائیں۔ اِسی غرض کے پیشِ نظر میں ان واقعات کو نظم کر رہا ہوں۔ حق تعالیٰ انجام تک پہنچانے کی توفیق عطا کرے۔

میری انتہائی کوشش ہے۔ کہ واقعات صحیح اور علی الترتیب لکھے جائیں۔ لیکن اس میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ سنہ ۵۷ء میں جب یہ واقعات رونما ہوئے میرا گاؤں خود محاصرہ میں تھا۔ اور میرا باہر نکلنا دشوار تھا اِس لئے خود واقعات سے بلا واسطہ واقف نہ ہو سکا۔ اور اب تک جو روائتیں پہنچی ہیں۔ وہ مختلف اور متضاد ہیں۔ تاہم پھر بھی میں ممنون ہوں چودھری شفاعت احمد خاں صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی اور چودھری بشیر احمد صاحب ٹیکسیشن سب انسپکٹر کا۔ جنہوں نے اپنے بیانات اور خطوط کے ذریعے ایک حد تک میری دشواریوں کو آسان کر دیا۔ پھر بھی مَیں نہیں سمجھتا کہ یہ واقعات بالکل غلطی سے پاک ہیں اور بالترتیب ہیں۔ اِس لئے قارئین کرام اور سامعین عظام سے التماس ہے۔ کہ جن واقعات کو خلافِ ترتیب یا غیر صحت مند پائیں۔ اِن سے احقر کو بھی مطلع فرمائیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔

بعض حضرات جن کی نظر میں گوت اور پال بندی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ اس جنگ نامہ میں صرف اپنی پال کی بڑائی دیکھنا چاہیں گے اور جب ان کا دلی مدعا پورا نہ ہوگا۔ تو مصنف پر الزام رکھیں گے کہ

اس نے تو صرف اپنی پال کی بڑائی لکھی ہے۔ اِن کی خدمت میں صرف اتنی گذارش ہے کہ میں پال بندی کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتا۔ میری نظر میں تو پال بندی ہی وہ منحوس شئے ہے جس نے قوم کا شیرازہ پارہ پارہ کر دیا۔

میرا ارادہ تھا کہ جنگ نامہ میوات کو مکمّل ہو جانے کے بعد اشاعت کے لئے دوں گا۔ مگر احباب کے پیہم تقاضوں اور عوام کے مسلسل اصرار نے مجبور کر دیا۔ کہ جتنا اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے اشاعت کے لئے دیدیا جائے۔

جنگ نامہ میوات کی اشاعت کا پروپیگنڈا عرصہ تین سال سے ہو رہا تھا۔ مگر لوگوں کے سامنے شائع ہو کر اب تک نہ آسکا۔ لہٰذا لوگ مایوس ہونے لگے۔ اور یہ بھی شہرت ہونے لگی۔ کہ یہ بھی قیصر کی مرحوم کی تاریخ میوات بن گیا جس کی اشاعت کا انتظار فضول ہے۔

میں لوگوں کی اس طنز سے سخت پیچ و تاب میں تھا۔ مگر اپنی تہی دستی سے مجبور تھا کہ قدرت نے حضرت بابن شاہ عرف بنگالی شاہ قادری موضع پھلاپاس تحصیل تجارہ ریاست الور و جناب محمد مرید شاہ قادری موضع نیملی تحصیل تجارہ ریاست الور سے ملا دیا۔ بر سبیل تذکرہ ان کے سامنے

جنگ نامۂ میوات کی اشاعت میں تاخیر کا ذکر آگیا۔ فوراً دونوں محترم ہستیوں نے مجھ کو مجبور کیا۔ کہ اسی وقت گھر سے جنگ نامہ کے مسودہ کو لاکر اشاعت کے لیئے دیدوں۔ اور صرفہ کا کچھ فکر نہ کروں۔

جنگ نامۂ میوات ایسے وقت میں لکھنا شروع کیا۔ جب اقتصادی اور معاشی پریشانیوں نے میری روحانی و دماغی صحت کے ساتھ میری جسمانی صحت و تندرستی کو بھی امراض کی نذر کر دیا تھا۔ شروع میں یہ خیال تھا کہ حالات جلد تبدیل ہوں گے۔ اور حالات کے ساتھ ساتھ میری صحت بھی بہتر ہوتی جائے گی۔ مگر افسوس کہ آج چار سال کا عرصہ ہو گیا۔ اور حالات بدستور ہیں۔ پریشانیوں نے دماغ کو پراگندہ کر رکھا ہے جسم کی حالت میں بھی کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا۔ جب یہ صورت ہو تو جنگ نامۂ میوات کی تکمیل کیونکر ہو۔

حفیظؔ جالندھری نے شاہنامہ اسلام میں تمنا کی کہ فردوسی کی طرح اسے بھی کوئی غزنوی مل جائے تاکہ فکرِ زندگی سے چھٹکارا ملے۔

تمنا تھی کہ مل جائے جو کوئی غزنوی مجھ کو
ذرا آرام سے رہنے دے فکرِ زندگی مجھ کو

اور جب یہ تمنا بر نہ آئی تو آخر مسلم عوام کی طرف رجوع کر کے کہتا

پٹتا ہے

عظیم الشّان ہے یہ کام نکلیگا غریبوں سے

عوام نے حفیظ کی آواز پر لبیک کہی اور آج وہی حفیظ جس کو فکر زندگی آرام سے نہ رہنے دیتا تھا ہر فکر سے آزاد ہے۔

میں بھی اپنی قوم کے ہونہار نوجوانوں اور قابل احترام بزرگوں کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ اپنے قومی شاعر کی اعانت دستگیری فرمائیں۔ تاکہ یہ عظیم الشّان کام جس کو شروع کیا گیا ہے انجام کو پہنچے۔ تمام ثقہ لوگوں سے التماس ہے کہ جو جو واقعات بالترتیب تاریخوار کسی صاحب کے پاس ہوں۔ فوراً مصنف کے پاس روانہ کر کے شکریہ کا موقع دیں گیا میں امید کرتا ہوں کہ قوم کے زندہ دل میری صدا پر لبیک کہیں گے۔

فقط والسّلام

محمد کمال الدّین کمال سالارپوری
میواتی

"تعارف"

شاعر نازک خیال فاضل عدیم المثال حضرت شوکت ہاشمی صاحب حیدرآبادی

ہندوستان کی مایۂ ناز قوم میو کے حقیقی جوہر جہل و نادانی کی خاک میں دفن ہیں

اسی لئے ابھی تعلیم یافتہ قومیں اس قوم کے حالات سے نابلد ہیں۔ میں

خود بھی اس کی تاریخ سے ناآشنا ہوں۔ اِس لئے اس کے حالات پر

زیادہ روشنی ڈالنے سے معذور رہوں۔ جس کی شجاعت اور جرأت کے

واقعات حضرتِ کمالؔ نے نظم کئے ہیں۔

حضرت کمالؔ سالارپوری سے میری پہلی ملاقات ۱۹۴۵ء میں بزمِ

ادب الور کے ماہانہ مشاعرہ میں ہوئی۔ ایک بے ریش بُروت نوجوان تپلا

دُبلا اُٹھا۔ معلوم ہوا کمالؔ صاحب یہی ہیں۔ غزل سُنی۔ پوری غزل لاجواب

تھی۔ ایک شعر حاصل مشاعرہ تھا جسے سات سال کی پریشانیاں بھی نہ

بھلا سکیں ملاحظہ ہو ؎

اہلِ چمن کو چاہیئے پیدا کریں نگاہ جز مکر و دام قوتِ صیاد کچھ نہیں

ملاقات کے بعد گہری دوستی ہو گئی۔ اور آج سات سال سے زائد ہو چکے مگر تعلقات میں کوئی فرق نہ آسکا۔

کمالؔ صاحب موضع سالارپور تحصیل تجارہ ریاست الور علاقہ میوات کے رہنے والے ہیں۔ اُردو۔ فارسی۔ عربی پر پوری پوری دسترس رکھتے ہیں۔ آپ کا مطالعہ بے حد وسیع ہے۔

شاعری سے فطری مناسبت ہونے کی وجہ سے بچپن ہی میں اچھے شعر کہنے لگ گئے تھے۔ اُردو کلام غیر مطبوعہ دیوان کی شکل میں ایک ضخیم کتاب کا مسودہ ہے۔ جو تہی دستی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ ایک ناول بنام "معصوم بھکاری" لکھا ہے۔ جو شاید حالات سازگار ہونے پر جلد ہی شائع ہو جاوے۔

کمالؔ صاحب بجد خلیق۔ منکسر المزاج۔ ظریف اور سنجیدہ اِنسان ہیں پابند صوم صلوٰۃ ہیں۔ مگر ملّا نہیں۔ روشن خیال اور حاضر جواب ہیں۔ ان کی شاعری میں اقبال کا پیغام۔ جوش کا جوش اور اختر شیرانی کا رومان تینوں جمع ہو گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ہمدم اجل شاہیں کا اور نشاں کیا ہے
انداز میں مسکینی پرواز میں کوتاہی!

ایک اور نظم کے چند اشعار سنتے چلئے اور لطف اٹھائیے۔

عقابوں کس لئے خائف ہو کنجشک و کبوتر سے
خس و خاشاک کی خوراک چنگاری نہیں ہوتی

نہیں آتی میسر بازوئے خاکی کو فولادی
دلوں میں پیدا جبتک شان کراری نہیں ہوتی

نہیں ہوتا ہے حاصل دل کو جبتک عزم مستغنی
خدا شاہد کوئی ضرب سناں کاری نہیں ہوتی

اسد سیکھے تو کیسے آخرش کار خرو اشتر
کہ جو ضیغم ہے اس سے باربرداری نہیں ہوتی

یہ اُن کا کام ہے جو بے نیاز مال و دولت ہے
گدائے نان گندم سے جہانداری نہیں ہوتی!

دوسرا رنگ ملاحظہ ہو:-

آگیا گر وقت ہی تیرا تو اے ٹوٹے جہاز
کھیل اس دریائے بے پایاں کی طغیانی سے کھیل

گر بھلا بیٹھا ہے تو قارون کے انجام کو
اے غرور مایہ داری خون انسانی سے کھیل

ٹھوکروں میں بیکسوں کے سر کچل پامال کر
بجلیوں کی زد میں رہ شعلوں کی عریانی سے کھیل

اے غرور خواجگی مزدور کو ٹھوکر لگا!
اے حسن ظلمت جلال مہر تابانی سے کھیل

اے کمینے طیش اٹھ جذبات کو ٹھوکر لگا
اے بھڑکتی آگ اس بہتے ہوئے پانی سے کھیل

شاعر میوات کی دل کھول کر توہین کر
اے کمال خستہ کے جذبات پنہانی سے کھیل

تیسرا رنگ دیکھئے اور رنہ جذب کیجئے نظم کا عنوان ہے "تصویر کھنچوانے پر سلمی سے"

بہشتِ رنگ و بُو کے سارے نظارے سمٹ آئیں
شراب و شعر کی کیفیتیں ہوں بند قطرے میں
گلِ فطرت کی ساری نکہتیں ہوں بند قطرے میں
فلک کے سب ثوابت اور سیارے سمٹ آئیں
بہاریں شب کے منظر اور مہ پارے سمٹ آئیں
وفورِ شوق کی سب راحتیں ہوں بند قطرے میں
حسیں نغمات کی کل رنگتیں ہوں بند قطرے میں
نظر کے سامنے تسنیم کے دھارے سمٹ آئیں!

شباب و حسن و موسیقی مجسّم ہونے لگ جائیں
فضا میں رقص سا کرنے لگیں پریاں تبسّم کی
نگاہوں کو نظر آنے لگے صورت ترنّم کی
بہار و نور و رنگین مجسّم ہونے لگ جائیں
حقیقت کی زمیں پر نقشۂ تنویر کھنچ جائے
تو ممکن ہے کہ کاغذ پر تری تصویر کھنچ جائے

جنگ نامۂ میوات کی تصنیف جن رُوح فرسا حالات میں ہوئی ہے
حضرت کمالؔ نے موزوں نظم میں احوالِ واقعی کے عنوان سے جنگ نامہ
میں بیان کر دئے ہیں جن کو شاید ناظرین شاعرانہ مبالغہ خیال کریں۔
لیکن وُہ لوگ جو مصنف کے خانگی حالات سے واقف ہیں، وُہ
جانتے ہیں۔ کہ جو کچھ کہا گیا ہے حالات اس سے بھی فزوں تر ہیں ؎

کسی صورت سلجھتے ہی نہیں یہ پیچ قسمت کے
دبے ہیں مفلسی کی خاک میں جوہر طبیعت کے

اگر یہ نوجوان شاعر مفلسی کے ہاتھوں تباہ نہ ہوتا۔ تو اس کا قلم
یقیناً ایسے گلہائے رنگیں کھلاتا جن سے چمنستان ادب کی بہاریں دوام
آجاتا۔ ناظرین جنگ نامۂ میوات کے مطالعہ کے بعد خود فیصلہ
کریں گے کہ میرے دعویٰ میں کہاں تک صداقت ہے۔

خادم شوکت ہاشمی
بیڈن روڈ۔ لاہور

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے۔ تلواروں کے سائے میں

(حفیظ جالندھری)

حمد باری

خدائے لم یزل تو ہے زماں تیرا مکاں تیرا
زمیں کے ذرہ ذرہ سے ہویدا ہے نشاں تیرا

یہ رنگت برگ گل کی اور ستاروں کی یہ تابانی
یہ رونق بزم عالم کی یہ سورج کی درخشانی

شہادت دے رہی ہیں تیری وحدت اور قدرت کی
ثنائیں کر رہی ہیں تیری صنعت اور حکمت کی

تو ہی ہے وہ تو ہی جس کی جہاں میں حکمرانی ہے
تو ہی حاکم ہے وہ جس کی حکومت جاودانی ہے

ترا ہی در ہے جس پر بیکسی فریاد کرتی ہے
ترا ہی در ہے جس کو خلق دکھ میں یاد کرتی ہے
تو ہی اک پل میں ارض تشنہ کو سیراب کرتا ہے
تو ہی ہر ہونیوالی چیز کے اسباب کرتا ہے
کسی کو تاج بخشا ہے کسی کے گھر میں غربت ہے
کوئی غم سے تڑپتا ہے کسی کے دل کو راحت ہے
طلب کرتا ہوں ہر اک حال میں مولا کرم تیرا
جھکاتا ہے ترے آگے ادب سے سر قلم میرا

نعت

محمد مصطفےٰ وہ عبد خاص الخاص ولاثانی
حبیب کبریا وہ نقطۂ پرکارِ نورانی
وہی ہستی جسے مقصودِ تخلیق جہاں کہیئے
وہی ہستی جسے مطلوب بزمِ کن فکاں کہیئے
وہ ہستی جس نے دنیا کو دیا تھا درس آزادی
وہ ہستی جس کا آنا ظلم کو پیغام بربادی
وہ ہستی جس نے کاٹیں عظمتِ باطل کی زنجیریں
جہاں میں گونج اٹھیں حق و آزادی کی تکبیریں

وہ ہستی جس کے آتے ہی ہوئی کافور تاریکی

چمک اُٹھی جہاں میں روشنی توحید باری کی

وہ ہستی جس کے خلق پاک نے غیروں کو اپنایا

وہ ہستی بیکسوں کے سر پہ جس نے کر دیا سایا

وہی ہستی جسے پیغمبرِ آخر زماں کہئے

مطاعِ دو جہاں کہئے رسولِ انس و جاں کہئے

وہ جس کی ہر ادا بھائی خداوندِ دو عالم کو

دیا درسِ اخوت جس نے فرزندانِ آدم کو

وہ جس کا پڑھ لیا کلمہ زمینوں آسمانوں نے

رسالت پر گواہی جس کی دی سنگین چٹانوں نے

وہی اک پھول ہے خوشبو ہے جس کی سارے گلشن میں

نجاتِ دنیوی و اخروی ہے اس کے دامن میں!

"قدیم ہندوستان"

یہ بھارت ورش یہ چھوٹی سی جنّت خوشحالوں کی

نظر پڑتی رہی جس پر جہاں کے تاج والوں کی

یہ کثرت بستیوں کی اور یہ دولت کی فراوانی

یہ باغوں کے مناظر اور یہ نظارے کہستانی

جہاں آہو نظر آتے ہیں ہر سو چوکڑی بھرتے

بہے جلتے ہیں دریا ہر طرف اٹکھیلیاں کرتے

زمانہ ایک ایسا بھی تھا یاں تاریخ سے پہلے

نہ کھیتوں کے مناظر تھے نہ باغوں کے نظارے تھے

تنِ عریاں پہ اپنے موسموں کی چوٹ سہتے تھے
یہاں ہر سمت سنتھال اور کول و منڈ رہتے تھے

یہی تھے جو بنایا کرتے تھے ہتھیار پتھر سے
یہی تھے جن کے سب چلتے تھے کاروبار پتھر سے

نہ شہروں کے مکانوں میں نہ باغوں کی بہاروں میں
یہ انساں زندگی اپنی بسر کرتے تھے غاروں میں

دراوڑوں کی آمد

حمام ہند پر اک دم جھپٹ کر مثل باز آئی
سمندر کی طرف سے قوم اک لیکر جہاز آئی

دلوں میں بحرِ ہمت موجزن ہاتھوں میں شمشیریں
نگاہوں میں چمکتی تھیں ظفرمندی کی تنویریں

تباہی اس طرح نازل ہوئی شمشیر براں سے
حکومت مٹ گئی سنتھال و کول و منڈ کی یاں سے

ظفرمندی کے پرچم ملک میں لہرا گئے ہر سو
دراوڑ خطۂ ہندوستاں پر چھا گئے ہر سو

نشاں بھارت سے سب اقوام کہنہ کے مٹا ڈالے
زمین ہند پر ہر چار سو قلعے بنا ڈالے

آریوں کی آمد

خبر کیا تھی۔ کہ گردش میں پڑے تقدیر کے تارے
دراوڑ نشۂ تہذیب میں مخمور تھے سارے

اچانک دامنِ اقبال ان کے ہاتھ سے چھوٹا
خُدا کا قہر ان پر درۂ بولان سے ٹوٹا؟

دراوڑ قوم کے سر پر پڑے آلام کے سایے
دما دم آریہ وسط ایشیا سے ہند میں آئے

لباسِ خوش نما تن پر اٹھائے ہاتھ میں بھالے
سپید و سُرخ چہرے لمبی لمبی گردنوں والے

گذر کر خیبر و بولان سے پنجاب کو روندا
ادھر کشمیر پہنچے وادی لولاب کو روندا

بلوچستان و مہرحد سندھ مرکز بن گئے ان کے
ادھر گجرات کے خطہ میں خیمے تن گئے ان کے

دلوں میں بس گئے تھے ہند کے رنگین نظارے
بڑھے اور کوہ بندھیاچل تلک ٹھٹے گئے سارے

بلندی سے بدل لیں لیکے خنجر پستیاں اپنی
بسالیں خطۂ ہندوستان میں بستیاں اپنی

یہ ہر علم و ہنر کے ماہر و استاد تھے سارے
گھرانے ان کے تہذیب و تمدن کے تھے گہوارے

ریاست کی حدوں تک سلطنت تھی فرد واحد کی
حکومت اور سیاست ملکیت تھی فرد واحد کی

ہنوں کی آمد

جہاں ہیں منتشر ہیں داستانیں جن کی جرأت کی
ہزاروں سال بھارت ورش پر ان نے حکومت کی

نمونے ہیں سراپا زور و قوت کے شرافت کے
فسانے رام و لچھمن بھیم وارجن کی شجاعت کے

وہ پورو کی شجاعت اور وہ حملے سکندر کے
قبائل نند و گپت و شنگ کانو اور اندھر کے

وہ جین و بدھ و ویدک دھرم کا گھٹنا کبھی بڑھنا
لڑائی دو قبیلوں کی کبھی ہٹنا کبھی بڑھنا

وُہ ایوانوں کی زینت مندروں کی شانِ زیبائی
وجودِ شاہ میں فقر و شہنشاہی کی یکجائی
فسانہ بن گیا ہر واقعہ دُنیا کی نظروں میں
فسانہ بن گیا ہر سانحہ دنیا کی نظروں میں

حبابِ ناتواں تھے آ رہے گرداب کے آگے
ہنوں کے بے پناہ پُرخطر سیلاب کے آگے
بایں طاقت ہنوں سے ہند والے پٹ گئے آخر
کچھ عرصہ کو وُہ تہذیب و تمدّن مٹ گئے آخر

وُہ بھارت جسمیں کل تک آریوں کی حکمرانی تھی
اسی کا شہر ساکل اب ہنوں کی راجدھانی تھی

•

صُوبۂ میوات

ہنوں کے کچھ قبائل جنگ کرتے سندھ میں پہنچے
کیا رُخ جانبِ مشرق تو وسطِ ہند میں پہنچے

درندے کر گئے خالی ہنوں کو خوف کے مارے
بڑھے اور اروَلی کی وادیوں میں بس گئے سارے

لٹا کر ایک ملکِ نو کی خاطر ہستیاں اپنی
بسائیں کوہ و صحرا میں ہزاروں بستیاں اپنی

یہی ہن تھے جنہوں نے میو و میواتی لقب پایا
یہی خطّہ ہے جو پھر صوبۂ میوات کہلایا۔ ؎

ا یہ تحقیق سید مصطفیٰ علی بریلوی فرید آباد کی ہے۔ دو سو سے لوگ میوؤں کو گوتم کی نسل راجپوت کہتے ہیں
دیکھو روزنامہ امروز لاہور کا جشن استقلال نمبر ۱۹۵۰ء کمال سالار

جوانمردانِ میوات

جواں مردانِ میواتی ہر ایک قوّت سے ٹکرائے
شہنشاہانِ دہلی تک کو خاطر میں نہیں لائے

انہیں مغلوب کرنے کے لئے آتی رہیں فوجیں
دما دم ہر گھڑی ساحل سے ٹکراتی رہیں موجیں

عروسِ آشتی کا خاک و خوں میں چھپ گیا چہرہ
قتال و بربریت، کاروبارِ زندگی ٹھہرا

حکومت کے مظالم، بدعتیں سہنے لگے ہردم
یہ فرزندانِ صحرا سر بکف رہنے لگے ہردم!

تجارت اور نہ معماری نہ کشت و نوکری ٹھہرا
معاشی مسئلے کا حل فقط اک رہزنی ٹھہرا

غلامی کی بجائے موت کا ہر شخص طالب تھا
لباسِ زندگانی پر سیاسی رنگ غالب تھا

کسی ظالم حکومت کے ہوئے تابع نہ دم بھر کو
سدا ٹھوکر لگائی عظمتِ چوہان و تومر کو

جواں ہر ایک پیکر تھا تہور کا شجاعت کا
خلوص و اتحاد و آدمیت کا صداقت کا

سکوتِ کوہ و صحرا تھا رفیق زندگی ان کا
نہایت سیدھا سادہ تھا طریق زندگی ان کا

پھرے سر پھوڑتے صدیوں فنہان ہند کے لشکر
دیا جھکنے نہ خودداری نے میوؤں کو غلامی پر

قلیل و خستہ حال و فاقہ مست و بے سر و ساماں
وہ کوہ اروَلی کی وادیوں کے ناتواں انساں
شکارِ جورِ ناحق وہ ہدف تیرِ مظالم کے
بایں کمزوری و قلت حریف اقوام حاکم کے
مصیبت بن کے جا پڑتے ہلاکت بنکے جا پڑتے
جنودِ دشمناں میں صد قیامت بنکے جا پڑتے
اگر مسدود ہو جائیں ظفر مندی کی سب راہیں
تو بنتی اروَلی کی وادیاں ان کی پناہ گاہیں
یہیں پیدا ہوئے جن سے اجل بھی خوف کھاتی تھی
اننگ و پرتھوی کی روح جن سے کانپ جاتی تھی
جیوشِ غوری و محمود کے جو سامنے آئے
اسی دھرتی کے پروردہ تھے جو بلبن سے ٹکرائے

یہیں پیدا ہوئے وہ شیر جو ٹکرائے بابر سے
یہیں پیدا ہوئے جن نے نہ کھائی مات اکبر سے

یہیں پیدا ہوئے وہ صاحبانِ ہمّت عالی
بھلا دی دم میں جن نے لشکرِ ہیموں کو بقالی

انہیں لوگوں نے توڑا تھا غرورِ رائے گھاسیڑہ
ڈبویا تھا انہیں نے عظمت افرنگ کا بیڑہ

فتنہ پال بندی کا نتیجہ

جلال الدین اکبر نے جو فتنہ ان میں ڈالا تھا
وہ ان مردانِ صحرا پر تباہی لانے والا تھا
غم و آلام ٹوٹے اور یوں ٹوٹے کہ میواتی
نفاق و انتشار و تفرقے کے بن گئے ساتھی
صفاتِ آدمیت خواب ہو کر رہ گئیں یکسر
اخوت اور وفا نایاب ہو کر رہ گئیں یکسر
وہ قوت جس سے شاہوں کے کلیجے کانپ جاتے تھے
وہ قوت سامنے جس کے بہادر سر جھکاتے تھے
ہوئیں صدیاں کہ اس کو کھو چکے تھے ہاتھ سے اپنے
بھلا ڈالا تھا بلکہ اس کو احساسات سے اپنے

قوم کے دو عظیم رہبر

نکالا پستی و ذلّت سے ان وحدت پرستوں کو
نوازا رحمت غفّار نے ان فاقہ مستوں کو

اُٹھا ابرِ نوازش چھا گیا اس قوم کے سر پہ
خدا نے دیدئے سردار اور الیٰسین سے رہبر

یہ دو شیرانِ ہزبرِ بیابانِ سیاست کے
نہنگانِ قوی ہیکل ہیں دونوں بحرِ ہمّت کے

یہ دونوں آسمانِ صبر کے مہرِ درخشاں ہیں
یہ دونوں بزمِ استقلال کی شمع فروزاں ہیں

یہ دونوں رزم گاہِ زیست کے مرد سپاہی ہیں
یہ دونوں ہم سفر ہیں ایک ہی منزل کے راہی ہیں

آل انڈیا میو کانفرنس کا قیام

پئے بہبودیٔ ملت، صلاحِ قوم کی خاطر
اٹھا میوات کا قائد فلاحِ قوم کی خاطر

بہی خواہانِ ملت عاشقانِ قوم جتنے تھے
اکٹھے کر لئے سرکردگانِ قوم جتنے تھے

سماعت کا جب ہر پیر و جواں کو منتظر پایا
تخاطب اجتماعِ قوم سے قائد نے فرمایا

تم اک بھولی ہوئی تاریخِ عظمت کے ہو افسانے
تم اک تسبیحِ قومی کے ہو سب بکھرے ہوئے دانے

ہو تم سب ایک ہی زنجیر کی بکھری ہوئی کڑیاں
گلوبندِ زمرد کی ہو سب ٹوٹی ہوئیں لڑیاں

تمہارے سامنے شاید ابھی گہرا اندھیرا ہے
کہ شیطانِ غرض نے کس لئے تمکو بکھیرا ہے

تمہیں کیوں دُور رکھا روشنئ علم سے ابتک
پہنچنے کیوں نہ دی ابتک یہ دارُوئے شفا لب تک

تمہیں کیوں پستئ حسرت میں ابتک چھوڑ رکھا ہے
تمہیں کیوں گوشۂ ذلت میں ابتک چھوڑ رکھا ہے

ترقی سے تمہاری خطرۂ افتاد ہے ان کو
کہ یکجہتی تمہاری نشترِ فصاد ہے ان کو

جو ارماں ہے کہ تم بھی ایک زندہ قوم کہلاؤ
کسی سے ارتقا کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جاؤ

لٹا دو زندگانی از پئے قوم و وطن اپنی
فلاح قوم کی خاطر بناؤ انجمن اپنی

حصولِ کامیابی کے لئے سب نیک ہو جاؤ
مٹا دو انتشار و تفرقے سب ایک ہو جاؤ

سنا فرمانِ قائد جب بہی خواہانِ ملّت نے
اسیرانِ غمِ قومی جواں مردانِ ملّت نے

مقدّر کے افق پر ہو گئے روشن حسیں تارے
منظم ہو گئے فرمانِ قائد پر جواں سارے

یہی تنظیم تھی میوات کی جس نے فضا بدلی
یہی تنظیم تھی جس نے ریاست کی ہوا بدلی

اِسی تنظیم نے ظالم کا سینہ چھید ڈالا تھا
رئیس شہر الور کو ریاست سے نکالا تھا!

قبائے پستی و رنج و جہالت چاک کر ڈالی
گناہِ بے حسی سے قوم جس نے پاک کر ڈالی

خیالات کا ہجوم

خیال اک دن ہوا پیدا اچانک یہ مرے دل میں
ہمارے یہ جواں جو مبتلا ہیں آج مشکل میں

جنہیں یاں سر چھپانے کے لئے سایا نہیں ملتا
جنہیں یاں پیٹ بھرنے کے لئے ٹکڑا نہیں ملتا

بجز رنج و الم حزن کا نہیں اب مشغلہ کوئی
جنہیں موج تبسم سے نہیں ہے واسطہ کوئی

جو پاکستاں میں آ کر اپنی آزادی کو کھو بیٹھے
جو اپنی زندگی کی راحتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے

جنہیں چلنا پڑا ہے آج شمشیر دو دھاری پر
کئے جاتے ہیں جو قرباں بت تحصیلداری پر

یہ جو درخواستوں کو اپنی پرزہ پرزہ کروا کر
درِ حکّام سے اب لوٹتے ہیں ٹھوکریں کھا کر

یہ وُہ مردانِ غازی ہیں کہ جرأت جن پہ نازاں تھی
محبّت جن پہ نازاں تھی شجاعت جن پہ نازاں تھی

یہی ہیں جن کے آگے کند ہو جاتی تھیں شمشیریں
دلِ دشمن میں لرزہ ڈالتی تھیں جن کی تکبیریں

جو فوجی رائفل کی گولیاں سینے پہ لیتے تھے
جو پاکستاں کی خاطر مسکرا کر جان دیتے تھے

یہ سب کچھ ہے مگر اک روز بد ایسا بھی آئیگا
زمانہ اُنکے سارے کارناموں کو بھلائیگا

مورخوں کی چشم پوشی

نشاں باقی کہاں ہیں کس طرف ہیں گذرے طوفاں کے
کہاں ہیں کارنامے آج میواتی حسن خاں کے
کہاں ہیں راؤ مالھا کی سیاست کے وہ ہنگامے
تدبر کا وہ آوازہ شجاعت کے وہ ہنگامے
پتہ دو، رائے بھانی کارناموں کو کہاں ڈھونڈوں
نہ عرش بریں ڈھونڈوں کہ زیر آسماں ڈھونڈوں
کہاں رؤوں ہیں جاکر رانائے کاکو کی عظمت کو
کہ جس نے کر دیا تقسیم میوؤں کی محبت کو
یہ ان کا ذکر ہے ہم سنتے آئے جن کے ناموں کو
مؤرخ کا قلم گم کر چکا ہے جن کے کاموں کو

پتھورا رائے جس سے کی تھی ہم نے جنگ برسوں تک

کیا تھا جس کو مردوں نے ہمارے تنگ برسوں تک

نہ کچھ بس چل سکا ہم پر غیاث الدین بلبن کا

کہ جس نے نوچ ڈالا تھا ہر اک پھول اپنے گلشن کا

وہ جس نے نعش انسانی سے دشت و کوہ بھر ڈالے

جواں اک لاکھ بیدردی سے جس نے قتل کر ڈالے

سیاستداں وہ شاہنشاہ دہلی اکبر اعظم

جھکا جس کے تدبر پر ہمیشہ تھا سر عالم

نہ نکلا کام طاقت سے چلا چالیں سیاست کی

شروع کی پال بندی آگ روشن کی عداوت کی

یہ سارے تذکرے وہ ہیں جو وقعت کچھ نہیں رکھتے

فسانے ہی فسانے ہیں حقیقت کچھ نہیں رکھتے

کسی نے سیم وزر سے جیب و دامن بھر دئے کتنے
مؤرخ کے قلم پابند جانے کر دئے کتنے
نہ لکھے نام تک صفحوں پہ ان سینہ دریدوں کے
بچایا دامن تاریخ خوں سے ان شہیدوں کے

اگر اس جنگ کے حالات بھی لکھے نہ جائیں گے
تو ان کو آنیوالے من گھڑت قصّے بتائیں گے

•

شاہنامہ اسلام کی طرز پر کیوں لکھا

میں اس کو لکھ رہا تھا پہلے طرز جنگ آلھا پر
کہ تا مطلب مرا واضح ہو ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر

دلایا دھیان کچھ تو وقت کی رفتار نے مجھ کو
کچھ آمادہ کیا احباب کے اصرار نے مجھ کو

بایں ناطاقتی و ناتوانی سر کھپانے کو
بالآخر ہو گیا تیار میں یہ بار اٹھانے کو

مسلسل غم اٹھاتا ہوں پیاپے چوٹ سہتا ہوں
نہایت ناتواں ہوں ہر گھڑی بیمار رہتا ہوں

دماغی نظم برہم سا ہے تپ کی مہربانی سے
قلم تک اٹھ نہیں سکتا ہے بڑھتی ناتوانی سے

کسی نے سیم و زر سے جیب و دامن بھر دئے کتنے
مؤرخ کے قلم پابند جانے کر دئے کتنے
نہ لکھے نام تک صفحوں پہ ان سینہ دریدوں کے
بچایا دامن تاریخ خوں سے ان شہیدوں کے

اگر اس جنگ کے حالات بھی لکھے نہ جائیں گے
تو ان کو آنیوالے ان گھڑت قصے بتائیں گے

•

شاہنامہ اسلام کی طرز پر کیوں لکھا

میں اس کو لکھ رہا تھا پہلے طرز جنگ آلھا پر
کہ تا مطلب مرا واضح ہو ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر

دلایا دھیان کچھ تو وقت کی رفتار نے مجھ کو
کچھ آمادہ کیا احباب کے اصرار نے مجھ کو

بایں ناطاقتی و ناتوانی سر کھپانے کو
بالآخر ہو گیا تیار میں یہ بار اٹھانے کو

مسلسل غم اٹھاتا ہوں پیاپے چوٹ سہتا ہوں
نہایت ناتواں ہوں ہر گھڑی بیمار رہتا ہوں

دماغی نظم برہم سا ہے تپ کی مہربانی سے
قلم تک اٹھ نہیں سکتا ہے بڑھتی ناتوانی سے

مگر احباب کے احکام کی تعمیل کرنی ہے!
بشرط زندگی اس جنگ کی تکمیل کرنی ہے

میں اب اسپِ تصوّر کو سوئے ماضی اڑاتا ہوں
وطن کی یاد میں کچھ دیر تک آنسو بہاتا ہوں

وطن کی یاد

وطن کی وُہ مقدّس خاک وُہ ذروں کی تابانی
ہزاروں جس کے نیچے سو رہے ہیں ماہ کنعانی

وہ نغمہ ہائے طاؤسی وُہ نیموں کے حسیں سائے
لبھاتے سے ہر اک دل کو محبّت کے امیں سائے

وُہ منظر سبز کھیتوں کے دلآویزی وہ راہوں کی
وہ رونق کوہساروں کی طراوت وُہ نگاہوں کی

بیاباں سے گذرتی اور بل کھاتی ہوئی ندیاں
کہانی زندگانی کی وُہ دہراتی ہوئی ندیاں

وہ درد و کیف کا ہونا پپیہے کی صداؤں میں
مسرت کی وُہ ہلکی سی کرن شب کی فضاؤں میں

وہ پودے نرم سرسوں کے وہ رنگت زرد پھولوں کی
دلوں کو کھینچنے والی نزاکت زرد پھولوں کی

وہ صبح و شام کی خنکی وہ پنگھٹ کا حسین منظر
زبانِ شوخ کی وہ چلبلاہٹ کا حسین منظر

وہ ریوڑ بکریوں کے اور گلے بھینس گایوں کے
وہ پیارے جھنڈ پیڑوں کے نشاں وہ گھر سبا بوں کے

وہ کوہ اروَلی کے سر پہ جھک جانا گھٹاؤں کا
وہ بھینی بھینی سی خوشبو سے بھر جانا ہواؤں کا

وہ رحمت کی پھواریں اور وہ بوندیں کامرانی کی
نظر آتی تھی بکھری ہر طرف اک زندگانی سی

مجھے محسوس ہوتی ہے کوئی میٹھی چبھن دل میں
نہ پوچھو کس طرح رہتی ہے اب یادِ وطن دل میں

احوالِ واقعی

وطن کی سرزمیں وُہ عشرت رفتہ کا گہوارہ
اُبلتا تھا جہاں ذرّوں سے بھی راحت کا فوّارہ
جسے معلوم ہیں بھولی ادائیں میرے بچپن کی
ادائیں میرے بچپن کی دعائیں میرے بچپن کی
جہاں تدبیر سے بگڑی ہوئی قسمت بدلتی تھی
جہاں کی سرزمیں میرے لئے سونا اگلتی تھی
جہاں دل چھیننے والی نزاکت تھی ببولوں میں
جہاں پر زندگی تُلتی رہی راحت کے پھولوں میں

جہاں پر کھیلتی رہتی تھی ہونٹوں پر ہنسی ہر دم
دلوں کو گدگداتی تھی جہاں پر زندگی ہر دم
فضائیں ناچتی تھیں جب شعاعیں کچھ تبسّم کی
ہوائیں گونج اُٹھتی تھیں صدا ساز ترنّم کی
سحر کے وقت جب باغوں میں ہم کو دیکھ لیتی تھی
عروسِ غنچۂ نو جھٹ سے گھونگٹ کھول دیتی تھی
مسرّت کی شعاعوں سے فضائیں جگمگا اٹھتیں!
نسیمِ صُبح کے جھونکوں سے شاخیں لہلہا اُٹھتیں
چمن میں بکھرے رہتے تھے فسانے کیف و اُلفت کے
فضائیں گونج اُٹھتے تھے ترانے عیش و راحت کے
مگر اب وُہ مزے وُہ لطف و راحت چھن گئے سارے
وطن کے ساتھ وُہ اسبابِ عشرت چھن گئے سارے

یوں چھینی مجھ سے راحت یاد راحت تک نہیں چھوڑی
مرے جسمِ حزیں کے پاس صحّت تک نہیں چھوڑی
گھروں پر یہ کر لیا قبضہ فلاکت اور غربت نے
وطن کے چھوٹتے ہی آ دبوچا رنج و کلفت نے
وُہ ہنگامے مسرّت کے وُہ بے فکری کے گہوارے
یہاں پنجاب میں ان دیکھے سپنے ہو گئے سارے
میں ہی ہوں اب جسے افکار سے فرصت نہیں ملتی
وُہ جس کے جسم کو آزار سے راحت نہیں ملتی
جسے ہر سمت سے آفات و محرومی نے گھیرا ہے
درختِ یاس و حرماں کے تلے جس کا بسیرا ہے
جو تنگ آیا ہُوا ہے آج اپنی زندگانی سے
جسے اب رنج ہوتا ہے مسرت کی کہانی سے

وہی جس کے نئے ماحول پر وحشت برستی ہے
وہ جس کی زندگانی مسکراہٹ کو ترستی ہے
وہ جس کے گھر نہیں ہے آج ٹوٹی چارپائی بھی!
وہ جس کے جیبِ دامن میں نہیں ہے ایک پائی بھی

نہ دل زندہ ہے میرا اور نہ میری روح زندہ ہے
خدا جانے یہ مردہ جسم کیسے سانس لیتا ہے
بلیسر ہو رہی ہے عشق کی معراج کانٹوں پہ
حیاتِ بے بقا لیتی ہے کروٹ آج کانٹوں پہ

دل و جانِ حزیں دونوں پھنسے ہیں غم کے پنجے میں
کسی ہیں ہڈیاں تن کی علالت کے شکنجے میں
اجل کی سی خموشی چھا رہی ہے دل کی بستی پر
اداسی سی برستی ہے بہارستانِ ہستی پر

گئے وہ دن سکوں ملتا تھا جب ٹھنڈی ہواؤں سے
امنگیں سی اٹھا کرتی تھیں ساون کی گھٹاؤں سے

تمناؤں کے مدفن ہیں کہ شہرِ دل کی ویرانی
جہاں ہر سیٹی رہتی ہیں وحشت اور پریشانی

فضائے دل پہ میرے غم کا بادل چھائے جاتا ہے
مجھے فکرِ معاشِ زندگانی کھائے جاتا ہے

گذارے کی کوئی صورت مگر پیدا نہیں ہوتی
مری شامِ مقدر کی سحر پیدا نہیں ہوتی

یہ نقشہ ہے مری پروردۂ غم نوجوانی کا
خلاصہ ہے یہ میری زندگانی کی کہانی کا

قائدِ اعظمؒ

وُہ غازی جواں ہمّت وُہ قائد قوم و ملّت کا
وُہ جس کے سامنے سر جھک گیا سب کی سیاست کا

نہ بندوق و مشینوں کے، نہ تیغ و تیر کے آگے
وُہ مردِ سورماں جس کی فقط تقریر کے آگے

سیاست اہلِ باطل کی شکستیں کھا گئی آخر
وُہ حق کے فتح پا جانے کی ساعت آگئی آخر

یہ پاکستان کا خطّہ یہ آبادی مسلماں کی
یہ سکّے چاند، تارے کے یہ آزادی مسلماں کی

یہ نظارے گلستاں کے، یہ رنگت نرم پھولوں کی
یہ کلیوں کی دل آویزی لطافت نرم پھولوں کی

یہ نغمے بلبلوں کے چہچہے معصوم چڑیوں کے
چمن میں ہر طرف یہ قہقہے معصوم چڑیوں کے
کرشمہ ہیں یہ اس مردِ مجاہد کی قیادت کے
تماشے ہیں یہ سارے مرنے والے کی سیاست کے

جو اپنا نام روشن کر گیا افلاک کے نیچے
جو جا سویا ہے خود اب ایک مشت خاک کے نیچے
وہ محسن قوم و ملت کا وہ پاکستان کا بانی
وہ جس پر ناز کرتی ہے کرے گی نوع انسانی

وہ آزادی دلا کر قوم کو تربت میں جا سویا
وہ اپنا نام کر، گہوارۂ راحت میں جا سویا
لگائے چار چاند اللہ اس غازی کی شہرت کو
خدا کی رحمتیں ڈھانپے رہیں اس پاک تربت کو

"پاکستان زندہ باد"

یہ پاکستان یہ جائے پنہ ایمان والوں کی
جنہم خستہ حالوں کا یہ جنّت خوش جمالوں کی

یہ حاصل قائد اعظم کی محنت کا سیاست کا
یہ ٹکڑا اسنگِ بُنیادی مسلمانی حکومت کا

فدا جاں کر گئے جس پر جوانانِ حسیں لاکھوں
گنوں کی گولیوں سے چھد گئیں مسلم جبیں لاکھوں

الٰہی غلغلے ہائے ترقی سے فضا گونجیں
یہ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے سدا گونجیں

تری بخشی ہوئی نعمت قیامت تک رہے باقی
ترے اسلام کی عظمت قیامت تک رہے باقی

بہار دائمی آجائے اس میں حق پرستی سے
رہے محفوظ پاکستاں خزاں کی چیرہ دستی سے

مظفر کر دے اہلِ شرک پر ایمان والوں کو
مصائب سے ملے مہلت یہاں کے خستہ حالوں کو

نیاموں میں چھپالیں اپنی رشوت کی کٹاروں کو
ملے توفیق ان پٹواریوں، تحصیلداروں کو

گلِ حمد و ثنا جھڑنے لگیں ساری زبانوں سے
زمینِ پاک گونج اُٹھے مسرّت کے ترانوں سے

زمیں کا گوشہ گوشہ اس کی محکومی میں آجائے
یہ پاکستان ایک زندہ حقیقت بن کے چھا جائے!

انصارانِ پاکستان

ادا میں شکریہ کرتا ہوں انصاری محبّت کا
اخوت کا مروت اور پر اخلاص خدمت کا

جو خادم بن رہے ہیں آج مخلوں کے مکیں ہو کر
مہاجر سے گلے ملتے ہیں جو خندہ جبیں ہو کر
جو پہنچاتے ہیں سکھ اپنے مہاجر دینی بھائی کو
جو قرباں کر چکے گاڑھے پسینے کی کمائی کو

جنہوں نے اپنے ذاتی کام سارے چھوڑ رکھے ہیں
جنہوں نے بال بچے اپنے پیارے چھوڑ رکھے ہیں
نہیں مطلب جنہیں دُنیا کی تعریف و برائی سے
اگر مطلب ہے کچھ تو صرف انسانی بھلائی سے

وئی نفسانیت رستے ہیں حائل ہو نہیں سکتی
طبیعت ان کی بے رحمی پہ مائل ہو نہیں سکتی

یہ وہ انسان ہیں جنکے کام سے سارا جہاں راضی
محمد مصطفےٰ راضی خدائے کن مکاں راضی!

اے کاش میں اس نظم کو طنزاً نہ لکھتا۔ کمال سالارپوری

دُعائے اخوّت

خدائے دو جہاں سچّی محبّت دل میں پیدا کر
تو انصار و مہاجر کی اخوت دل میں پیدا کر

شعاعیں جس کی لستی تھیں کبھی مُسلم کے سینے میں
محبّت وُہ جو جمکی تھی کبھی مکّے مدینے میں

وُہ جس نے رومی و حبشی کو ماجایا بنا ڈالا
وُہ جس نے امتیاز ادنےٰ و اعلےٰ مٹا ڈالا

ہر انصاری ہُوا آمادہ دولت بانٹ دینے کو
مکاں بستی میں جنگل میں زراعت بانٹ دینے کو

باجرہ شکریہ کرکے ادا انکار کرتے تھے
راعت کرتے تھے مزدوری و بیوپار کرتے تھے

اسی اُلفت کو پھر دُنیا میں پیدا کر دکھا مولا
اسی صورت پہ پھر دنیا کو شیدا کر دکھا مولا

اسی قوت سے پھر ہم نظمِ ہستی کو بدل ڈالیں
اسی طاقت سے پھر باطل کی قوت کو کچل ڈالیں

محبّت غالب آجائے تعصّب اور عداوت پر
مسلّط قوتِ حق ہو جہاں میں شرک و بدعت پر

جہالت، تفرقہ، نفسانیت کی ختم ہوں رسمیں
یہ انصار و مہاجر بھائی بھائی پھر بن جائیں آپس میں

اہلِ فن اور ناظرین سے معذرت

مری ہر اہلِ فن ہر ایک ناظر سے گذارش ہے
بہت بے علم مستی ہوں خطا پوشی کی خواہش ہے

زباں میں لکنتیں ہیں اور تخیّل بھی پریشاں ہے
مریضِ دائمی ہوں جسم صحّت سے گریزاں ہے

الگ ہوں شہر و قصبے سے پڑا ہوں ایک صحرا میں
بسر کرتا ہوں اپنی زندگانی ایک کٹیا میں

نہ چرچا علم کا نے شاعری کی گرم بازاری
مرا ماحول سارا زیورِ تعلیم سے عاری

نہ اخباروں کی کثرت ہے نہ محفل ہے ادیبوں کی
میں جس دُنیا میں رہتا ہوں وہ دنیا ہے غریبوں کی

علالت ہائے جسمانی سے کچھ مہلت نہیں ملتی
بہت ڈھونڈا مری کھوئی ہوئی صحت نہیں ملتی

طبیعت جی چراتی ہے مری اشعار کہنے سے
دماغی نظم برہم ہے مرض کی چوٹ سہنے سے

مگر یہ درد قومی ہر گھڑی بے تاب رکھتا ہے
مرے سینے میں دل کو صورت سیماب رکھتا ہے

اگر اہل ہنر اشعار میں میرے خطا پائیں
خطا پوشی سے مجھ بے علم کو ممنون فرمائیں

دعائیں اپنے قلب مضطرب سے میں نہیں دونگا
مجھے بھی مطلع فرمائیں ممنون کرم ہونگا

خدا کا نام لیکر جنگ کا آغاز کرتا ہوں
کمال بے کمالی ہی میں جس پر ناز کرتا ہوں

دُعا بدرگاہِ ربّ العلاؔ

زباں کو صاف کر دے اور تخیّل کو رسا کر دے
مرے ٹوٹے ہوئے الفاظ کو تاثیر کر دے

وُہ قوت دے اٹھا لوں جس سے اِس بارِ عظیمہ کو
وُہ ہمّت دے مکمّل کر دوں اِس کارِ عظیمہ کو

ترے فضل و کرم کا گر سہارا مجھ کو مل جائے
مری کھوئی ہوئی صحت دوبارہ مجھ کو مل جائے

نہ آرام و سکوں مجھ کو نہ دل کو فارغ البالی
پھنسی آکر عجب مشکل ہیں میری ہمّتِ عالی

کسی صورت سلجھتے ہی نہیں یہ پیچ قسمت کے
دبے ہیں مفلسی کی خاک ہیں جوہر طبیعت کے

بیابانِ مصائب سے گذرنے ہی نہیں دیتی
یہ خاکستر طبیعت کو ابھرنے ہی نہیں دیتی
بھنور سے ناؤ بچ جائے مری ہمت سنبھل جائے
تری رحمت جو ہو جائے مری حالت بدل جائے

ادب سے ہو ترے در پہ سرِ تسلیم خم میرا
تری حمد و ثنا کے گل کھلائے پھر قلم میرا
تمنا ہے کہ یہ میری دعا مقبول ہو جائے
مرے دل کی کلی چٹکے چٹک کر پھول ہو جائے

•

تباہی کے شعلے

وُہ ہر ہندی کے دل میں جوش اور جذباتِ آزادی
وہ سازش ہائے افرنگی وُہ تجویزاتِ بربادی
وُہ ہر ہندو کا مسلم کے مقابل صف بصف کرنا
وُہ چالیں اہلِ یورپ کی دلوں کو مختلف کرنا
وُہ ہر دم منزلِ مقصود کا ہمدم قریب آنا
تنازع ہائے لیگ و کانگرس کا اور بڑھ جانا
وطن میں ہر طرف وُہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھنا
وُہ ہر سو برقِ بربادی کا دُنیا میں کڑک اُٹھنا
وُہ شورش قتل و غارت کی وُہ ہنگامے لڑائی کے
وُہ سفاکی وُہ بے رحمی، نظارے بے حیائی کے

وُہ طفلانِ حسیں کا گولیوں سے جاں بحق ہونا!

وُہ سنگینوں سے سینہ ہائے نسوانی کا شق ہونا

وُہ اِک اِک تن کا تلواروں سے دو دو تین ہو جانا

زمیں کا خونِ انسانی سے وُہ رنگین ہو جانا

وُہ شمشیروں سے قِصّہ زندگی کا پاک ہو جانا

وُہ دم میں آگ لگنا بستیوں کا خاک ہو جانا

وُہ خوں ریزی کا اِک بازیچۂ اطفال ہو جانا

وُہ جلتی گولیوں سے جسم کا غربال ہو جانا

لگی بنگال میں یہ آگ بھڑکی بمبئی جا کر

اُدھر پنجاب پہنچی اور اِدھر پھونکی بہار آ کر

نہ چھوڑی پھر جگہ ایسی کہ جو محفوظ کہلائے

نہ ہو خوف و خطر دل کو بشر امن و سکوں پائے

پاکستان کی تحریک

وہ پاکستان کی تحریک وہ تنظیم میوؤں کی
وہ جس کو دیکھ کر تھرا گئی افواج دیوؤں کی
رئیسوں کو نظر آنے لگی صورت ہلاکت کی
کہ جیسے اینٹ سے بج جائے اینٹ انکی ریاست کی
ہلاکت میں پھنسی یوں زندگی معلوم ہوتی تھی
انہیں ہر سمت اپنی موت سی معلوم ہوتی تھی
تصوّر میں بہت تاریک مستقبل نظر آیا
انہیں ہر نوجوان میوات کا قاتل نظر آیا

لرزتی سی نظر آنے لگیں محلوں کی بنیادیں
رباب عیش کے تاروں پہ بھی رقصاں تھیں فریادیں

بھیانک شکل آ آ کر تصور میں ڈراتی تھی!
نہ دن کو چین پڑتا تھا نہ شب کو نیند آتی تھی

ریاست میں نظر آنے لگے شعلے بغاوت کے
یہ جیسے پڑنے لگے جھٹکے حکومت کے

مجلسِ شوریٰ

ہوئی اک مجلسِ شوریٰ بپا سارے امیروں کی
غم و درد و الم رنج و مصیبت کے اسیروں کی

کریں تدبیر وہ جس سے ریاست کی حفاظت ہو
بلائے ناگہاں سے چھوٹ جائیں ایسی صورت ہو

مٹیں خوف و خطر بیتاب سے دل کو قرار آئے
گلستانِ حکومت سے خزاں جائے بہار آئے

وہی مخموریاں مدہوشیاں ہوں عیش گاہوں میں
مسرت کی شعاعیں جذب ہو جائیں نگاہوں میں

یہ ہنگامے بغاوت کے ابھی خاموش ہو جائیں
یہ شیرانِ بیاباں پھر کسی صورت سے سو جائیں
یہ آزادی کے طالب پھر سے شامل ہوں غلاموں میں
یہ ہیبت ناک شمشیریں بھی چھپ جائیں نیاموں میں

سردار پٹیل سے مشورہ

پٹیل محترم سے عرض کی سارے امیروں نے
مصیبت کے ستائیوں نے توحش کے اسیروں نے

بہت غمگین ہیں بے چین ہیں ہم پر دیا کیجے
پٹیل محترم کچھ آپ ہم کو مشورہ دیجے

چھپائیں کس جگہ اب ہم خزانوں کو مکانوں کو
بچائیں کس طرح میوؤں کی تلوار سے جانوں کو

لعابِ دہن جس میں خشک ہوتا ہے دلیروں کا
بھرتپور اور الورِ خطہ ہے خونخوار شیروں کا

پڑے ہیں جامِ مے ٹوٹے فرار ہو گئے ساقی
نہیں ہے اب وہاں پر گوشۂ امن و سکوں باقی

سردار پٹیل کا جواب

پٹیل ذی حشم بولا سنو اے غم کے زندانی
تمہیں زیبا نہیں ہے اتنی وحشت اور پریشانی

تم آخر خود بھی سب کے سب رئیسانِ ریاست ہو
تمہارے پاس فوجیں بھی ہیں اور اہل سیاست ہو

بڑھو سب متفق ہو کر الٹ دو سارے خطے کو
چڑھو افواج لے کر پلٹ دو سارے خطے کو

مٹا دو صفحۂ ہستی سے مل کر نام میوؤں کا
وہ فائر ہوں مشینوں کے جو کردیں کام میوؤں کا

بنا دیں خطۂ میوات کو دار المحن فوجیں
ضرورت گر ہوئی تو بھیج دوں گا انڈین فوجیں

موضع سکت پور پر ہندوؤں کا حملہ

بہایا جا رہا تھا خون غلامانِ محمدؐ کا
بھرتپور اک جہنم تھا مظالم ہائے بیجد کا

نہ الور ہیں سکوں تھا اور نہ گوڑگانوہ سلامت تھا
یہ مرکز خوف کا تھا اور وہ مرہون ہلاکت تھا

جمے کفار اک ابلیس کی تعلیم کے اوپر
عمل ہونے لگا اک طے شدہ اسکیم کے اوپر

ادھر سے ٹیکلی والے چڑھے تھے صف بصف ہو کر
ادھر سے گوڑ بسر آگئے تھے سر بکف ہو کر

جوانان سکوپور آئے تلواروں کو چمکاتے
ادھر سے کھیڑ کی والے چلے آتے تھے بل کھاتے

جواں مانیسر و باگھن کی والے نکلے غرّا کر
صداؤں سے فضائیں رہ گئی تھیں جن کی تھرا کر

اکٹھے ہوگئے سارے پجاری کفر و ظلمت کے
لگے خیمے حسن پور بن میں اہل شرک بدعت کے

موضع سکت پور کا جلنا

شہنشاہِ فلک نے سرِ مشرق سے نکالا تھا!
جبینِ چرخ پر ہمدم یونہی سا کچھ اجالا تھا

سیاہِ ظلمتِ شب ہار کر بھاگی نہ تھی اب تک
کہ بیداری خمارِ نوم سے جاگی نہ تھی اب تک

نسیمِ صبح کے جھونکے چمن میں آنے پائے تھے
طیورانِ چمن پہلا ترانہ گانے پائے تھے

ابھی افکار کی دیوی نے کچھ چھو نکا نہ تھا پڑھ کر
پرستارانِ باطل چل دئے گھوڑوں پہ چڑھ چڑھ کر

خموشی سے بڑھے بڑھ کر سکت پور کو جلا ڈالا
جلا کر گاؤں ان شیرانِ خفتہ کو جگا ڈالا

میوؤں کی چڑھائی حسن پور چاپر

بھڑک اُٹھے دلوں میں جوشِ اور جرأت کے انگارے

اُٹھے پھر ضیغمِ میوات و مردانِ جری سارے

اِدھر سے سونڈھ بیری اور گھرکوانے نکل آئے

ہزاروں لے کے تیغ و تیر اور بھالے نکل آئے

جوانانِ سہوٹا کا لئے آتے تھے شمشیریں

وہ شمشیریں اُلٹ دیتی تھیں جو دشمن کی تدبیریں

جواں سب شیخ پور، سبرس کے تھے بمثیل جرأت میں

چلے آتے تھے ہمدم جھومتے ذوقِ شہادت میں

وہ چاہل کا کے اشجع جن کی شمشیرِ شجاعت نے

اڑائے تھے پرخچے بارہا افواجِ بدعت کے

وہ ڈھنگل کے جواں وہ آہن و فولاد کے انساں
پرستارانِ باطل کو جنہوں نے کر دیا حیراں
بڑھے اس شان سے جیسے کوئی طوفان آ جائے
سکونِ بحر پر موجِ تلاطم بن کے چھا جائے
شجاعانِ عدیم المثل میواتی دلیروں نے
کیا حملہ حسن پور جاٹ پر خونخوار شیروں نے

٥

حسن پور جاٹوں کا ایک لڑکی نذر دینے کیلئے نکلنا

سپہ دیکھی جو میوؤں کی حسن پور والے گھبرائے
دلیروں کی جو دیکھی فوج بزدل سارے تھرائے
حواس و ہوش گم تھے نبض بھی رک رک کے چلتی تھی!
کوئی صورت رہائی کی نہیں ہرگز نکلتی تھی!
نہ موقع بھاگ جانے کا نہ چھپ جانے کی جا کوئی
نہ مرنے کے لئے میدان کی جانب بڑھا کوئی
لگے سرگوشیاں کرنے بچائیں کس طرح جاں کو
ٹلائیں کس طرح سر سے بلائے قہر یزداں کو
سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا معطل تھی خرد سب کی
وہاں زنداں دہشت میں مقفل تھی خرد سب کی

کیا جب غور ان ہمت شکن حالات کے اُوپر
بالآخر ہوگئے سب متفق اس بات کے اُوپر

بلائے ناگہاں سے گر کوئی بچنے کی صورت ہے
جنودِ بیکراں سے گر کوئی بچنے کی صورت ہے

تو وُہ یہ ہے کہ لڑکی نذر دیں وِہ اپنی میوؤں کو
خدا کی ارض کے انساں نما جانباز دیوؤں کو

نِھتے جتنے جاٹ سرکردہ اکٹھے ہوگئے سارے
اکٹھے ہوگئے سارے تو پھر آگے بڑھے سارے

لئے جاتے تھے اپنے ساتھ اک معصوم لڑکی کو
حسین و مہ جبیں و بیکس مغموم لڑکی کو

نیا لہنگا نئی انگیا دوپٹہ بھی نیا سر پہ
اسے پہنا دیا تھا بزدلوں نے لفٹری ذریہ

وہ چشمِ سرمگیں اس کی جو دل کے پار ہوتی تھی
وہی میوؤں کے خوف و دہشت و وحشت سے روتی تھی

وہ دل اس کا جو مسکن تھا کبھی عیش و مسرّت کا
وہ مرکز بن رہا تھا آج خوف و رنج و وحشت کا

وہ دوشیزہ کہ جس کے لب بنے تھے مسکرانے کو
دلِ عشاق کے خرمن پہ بجلی سی گرانے کو

وہ دوشیزہ بنی تھی جو جہاں سے نذر لینے کو
لئے جاتے تھے اب بزدل اسی کی نذر دینے کو

شیرانِ میوات کا

جاٹوں سے استفسار کرنا

ادھر سے آ رہا تھا لشکرِ جرار میووں کا
پرستارانِ وحدت بت شکن جانباز دیووں کا
کرن سورج کی ٹکراتی تھی ان کے تیغ و خنجر سے
فضائیں گونجتی تھیں نعرۂ اللہ اکبر سے
قریب آئے حسن پور کے تو کچھ انساں نظر آئے
شکارِ خوف و رنج و دہشت و حرماں نظر آئے
لئے آتے تھے جو اک نوجواں لڑکی کو ساتھ اپنے
رہین خوف و حشت ناتواں لڑکی کو ساتھ اپنے

جو یہ صُورت نظر آئی دلاور رُک گئے سارے
بہادر صاحبِ شمشیر و خنجر رُک گئے سارے

قریب آئے عدو جب تو پوچھا ماجرا کیا ہے
تمہارے اس طرح آنے کا آخر مدعا کیا ہے

نہتے کیوں ہمارے پاس تم آئے ہو بتلاؤ!
اور اپنے ساتھ اس لڑکی کو کیوں لائے ہو بتلاؤ

●

جاٹوں کی درخواست

اے وہ مردانِ جرأت جن سے لرزاں ایک عالم ہے
اے وہ شیرانِ صولت جن سے ترساں ایک عالم ہے

کریں گے آج ہر قیمت پہ مجبور کرم تم کو
یہ لڑکی نذر دینے کیلئے لائے ہیں ہم تم کو

چھڑاؤ رنج و دہشت سے دلوں پر خوف ہے طاری
ہماری نذر لے لو اور خطائیں بخش دو ساری

ہمیں بخشو کہ پھر میوات پر چڑھ کر نہ آئیں گے
اس احساں کو تمہارے ہم نہ پھر ہرگز بھلائیں گے

بہادرانِ میوات کا خلقِ عظیم

سُنی جب گفتگو ان کی، کہا جانباز شیروں نے
دلِ دشمن میں لرزا ڈالنے والے دلیروں نے
سُنو اے ظلم کے پیکر، اے استبداد کے بانی
سُنو اے بزدل و مکار، اے دہشت کے زندانی
جو دیکھیں ہم تمہارے ظلم کو حیلے بہانے کو
تو اپنا فرض سمجھیں ہم تمہارا سر اڑانے کو
کئے پر خود پشیماں ہو تو جاؤ تم کو چھٹی ہے
دلوں میں خوف و دہشت کچھ نہ کھاؤ تم کو چھٹی ہے

تم اپنے ظلم و مکّاری سے آئندہ کو باز آؤ

بس اب جاؤ اور اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاؤ

ہمیں اب اسکی عصمت اپنی جانوں سے بھی پیاری ہے

یہ لڑکی اب تمہاری ہی نہیں، بیٹی ہماری ہے

کوٹہ کا جلانا

بڑھے جب سورما آگے تو کوٹہ آگیا زد میں
بلا کا جوش و جذبہ تھا غلامانِ محمدؐ میں
یہ وہ انساں تھے جو مخمور تھے وحدت کے جاموں سے
جھپٹ کر کھینچ لی تلوار مردوں نے نیاموں سے
زمیں پر گولیوں کی ہوتی تھیں بوچھار توپوں سے
نکلتے تھے دھوؤں کے غٹ کے غٹ خونخوار توپوں سے
فضاؤں میں دھوئیں کا دھندلا بادل چھائے جاتا تھا
حیاتِ کفر کو عفریت رزمی کھائے جاتا تھا
دہکتی آگ بڑھ بڑھ کر گھروں کو خاک کرتی تھی
وہ اپنے پوجنے والوں کا قصّہ پاک کرتی تھی

ففرو ا ہو رہے تھے سب عدو دہشت کے عالم میں

مویشی پھر رہے تھے ہر طرف وحشت کے عالم میں

بہت کچھ دشمنوں نے روکنا چاہا دلیروں کو

بہت کچھ گیدڑوں نے ٹوکنا چاہا تھا شیروں کو

حبابوں سے مگر امواج کا طوفان کیا رکتا

خس و خاشاک سے افواج کا طوفان کیا رکتا

ملا دی خاک میں سفاک بستی چند گھنٹوں میں

لگا کر آگ کر دی خاک بستی چند گھنٹوں میں

بسّر کا پھونکنا

جلا کر بڑھ گئے گوڑہ جوان بسّر پہ جا پہنچے
چمکتی تیغ لے لیکر عدو کے سر پہ جا پہنچے
کڑک کر گولیاں نکلیں جو بندوقوں کی نالوں سے
نکل کر رن میں پہنچی موت شمشیروں سے بھالوں سے
جواں بسّر کے سارے ڈٹ گئے میدان رزمی میں
بہادر سینکڑوں ہی کٹ گئے میدان رزمی میں
اٹھیں اٹھ کر سروں پر گر پڑیں یکبار شمشیریں
لہو انسان کا پینے لگیں خونخوار شمشیریں

چمکتے بلموں کی نوک سر کو چھید دیتی تھی
اجل گرتے ہوئے انساں کو بڑھ کر تھام لیتی تھی

کسی ڈھب جب سروں سے ٹلتی یہ آفت نہیں دیکھی
اور اپنی کامیابی کی کوئی صورت نہیں دیکھی

قوی اپنے سے دیکھا جب انہوں نے اپنے دشمن کو
جواں بستر کے آخر بھاگ نکلے چھوڑ کر رن کو

بڑھے شیرانِ میواتی لگا دی آگ بستر میں
لگی دیوی تباہی کی سنانے راگ بستر میں

جاٹوں اور میوؤں کی پنچایت

ہوئی غارت گری جب ہر جگہ بلوں کے خطّے ہیں
لگی شر و فتن کی آگ جب ہو ڈل کے خطّے ہیں

بہار دائمی جاتی رہی جب باغ عالم سے
صفاتِ آدمیت چھن گئیں اولادِ آدم سے

ہمیں کیا چاہئے کرنا کسی نے بھی نہیں سوچا
محبّت کے لئے مرنا کسی نے بھی نہیں سوچا

اِک عرصے تک رہے جب شیطنت کاری کے جاتیں
مزا جب چکھ لیا حیوانیت کا جوش و حشت ہیں

تو پھر طرفین کے سرکردہ اِنسانوں کو ہوش آیا
دماغوں میں خیالِ آشتیٔ چشم و گوش آیا

اکٹھے ہو کے میو اور جاٹ سب سوئے بچھور آئے
شباب بربریت کا مٹا کر زور و شور آئے
اکٹھے ہو گئے جس وقت رندانِ خراباتی
لگے صلح واماں کی بات کرنے جاٹ و میواتی
بڑی ردّ وقدح کے بعد بالآخر یہ طے پایا
کہ ہر دو قوم اب ہرگز نہ بھولیں حق ہمسایہ
نہ دیں دعوت کبھی اب بربریت اور وحشت کو
نہ چھوڑیں پال بندی اور گوتوں کی محبّت کو
وُہ دونوں ایک ہیں اپنی بھلائی اور برائی ہیں
نہ لیں حصّہ چھرکلوت اور ہوڈل کی لڑائی ہیں

●

ابھی تک فتنہ ہائے شیطنت سونے نہ پائے تھے
کہ صلح و آشتی کو چار دن ہونے نہ پائے تھے

عدوئے حریت، زندانِ ظلمت کے اسیروں نے
اُٹھے نورنگ پور پر کر دیا حملہ اہیروں نے

وُہ تیغوں کی چمک وہ فرشیوں کی خون آشامی
سمِ اسپانِ اعدا اور وُہ ارضِ پاکِ اسلامی

ہزاروں کی چڑھائی اور اک چھوٹی سی بستی پر
شکم سیری کی یورش اور وُہ بھی فاقہ مستی پر

وُہ باطل کا غرورِ اکثریت، بے کسی حق کی
وُہ ابرِ کفر میں چھپتی ہوئی سی روشنی حق کی
وُہ مٹھی بھر مجاہد اور وُہ شیدا لڑائی کے
وُہ جن کے دل نشیمن تھے جلالِ کبریائی کے
غیور و بے نیازانِ حیات و مرگ کا مجمع
دلیروں کا یہ محرومانِ ساز و برگ کا مجمع
لڑے اس سرفروشی سے کہ کافر بوکھلا اٹھا
لگائی ضرب وُہ کاری کہ دشمن بلبلا اُٹھا
غرورِ ظلمتِ باطل مٹا ڈالا لڑائی نے
نوازا چند جانوں کو جلالِ کبریائی نے
مٹایا زورِ باطل، بیکسوں کی آبرو رکھی!
یہ تھی تفسیر کَمۡ مِنۡ فِئَةٍ کی آیۂ حق کی

میوؤں کا اندھوپ پر حملہ

سُنا جس وقت اقلیم شجاعت کے امیروں نے
گریباں آشتی کا چاک کر ڈالا اہیروں نے
بڑے طوفان جذباتِ دل خاموش میں آئے
رگ غیرت بھڑک اُٹھی مجاہد جوش میں آئے
وُہ مردانِ جری وُہ زورِ باطل توڑنے والے
وُہ ظلم و جور کے طوق و سلاسل توڑنے والے
وہی اشجع کہ جن پر مادرِ میوات نازاں تھی!
شیاطین جن سے لرزاں تھے خدا کی ذات نازاں تھی
لبوں پر نعرۂ تکبیر وُہ ہاتھوں میں شمشیریں
وہ چلتی پھرتی اجلالِ خداوندی کی تصویریں

بظاہر مختصر لشکر بباطن فوج ربانی
ملا دیں خاک میں جس نے تمنا ہائے شیطانی

بڑھی بڑھتی رہی یہ فوج جب نزدِ اندھوپ آئی
شعاعِ نور بن کر کفر کی ظلمت سے ٹکرائی

خبیث اشجار کے یہ پھول دم بھر میں مسل ڈالے
ہزاروں جسم گھوڑوں نے سرِ میداں کچل ڈالے

لہو پیتی ہوئی میداں میں ہیبتناک شمشیریں
غرورِ شیطنت کی چاک کر دیں جن نے تحریریں

وہ بے پروا اجل سے نشۂ وحدت پرستی ہیں
بڑھے مردانِ جنگی بڑھ کے دیدی آگ بستی ہیں

بہین، نانگل اور منڈکولا پر حملہ

بڑھا سیلابِ حق آگے تو تنکے تھا منے آئے
جوانانِ بہین و نانگل ان کے سامنے آئے
سکوتِ وقت توڑا نعرۂ اللہ اکبر نے
بجھائی پیاس خونِ کفر سے شمشیر و خنجر نے
مئی کی سخت گرمی، معرکہ وہ حق و باطل کا
وہ تیغوں کی کھٹا کھٹ جوش مردانِ مقابل کا
وہ مردانِ خدا تن کا نہ من کا ہوش تھا جن کو
شہادت کے جنوں میں سر وبال دوش تھا جن کو
وہ تھے جنگ آزما، ان پلٹن مردانِ ظلمت سے
ازل میں رشتہ جوڑا تھا جنہوں نے کفر و عصمت سے

وُہ حامی کفر کے باطل کے وُہ دشمن صداقت کے
جو وارث بن رہے تھے بھیم و ارجن کی شجاعت کے
پڑے جب غزنوی کے نام لیوا لوٹ کر رن میں
اجل ہی ڈنڈ ناتی پھر رہی تھی فوج دشمن میں
بڑھے آگے حدودِ ارض ہند کو لا ہیں جا پہنچے
چھپائے دامنِ شمشیر و خنجر میں قضا پہنچے
سروں پر خالقِ فتح و ظفر کا ہاتھ تھا ان کے
کہ خود قدوس قادر ربِّ قاہر ساتھ تھا ان کے
دلوں میں ہمت و جرأت جلو میں غزنویت تھی
سروں پہ رحمتِ حق ٹھوکروں میں روحِ ظلمت تھی
نگاہوں میں جلالِ کبریائی رقص کرتا تھا
ہر اک رُخ پہ جمالِ پارسائی رقص کرتا تھا

زبانوں پر مقدس حمد خالق کے ترانے تھے
کتابِ قلب میں جوشِ شہادت کے فسانے تھے

کشادہ کر کے سینہ ضرب خنجر لی سرِ میداں
جواں مردانِ منڈکولا نے ٹکر لی سرِ میداں

اُٹھا وہ شور ساری وادی پرخار گونج اُٹھی
فضا کی خامشی میں تیغ کی جھنکار گونج اُٹھی

جیالت چند روزہ پر گری بجلی سی بن بن کے
لگی شمشیر خونیں فیصلے کرنے سر و تن کے

اجل کا دمبدم گاتی تھیں خونیں راگ بندوقیں
سرِ میداں اگلتی تھیں زمیں پر آگ بندوقیں

نہانا بلموں کا قریشیوں کا خونِ انساں میں
بجانا موت کا وہ بانسری آغوشِ میداں میں

جواں مرداں میو اتی بڑھے ذوقِ شہادت میں
جلا کر خاک کر دی بستیٔ کفر ایک ساعت میں

جاٹوں کی پنچایت

جو دیکھی حامیانِ دینِ قیم کی ظفر یابی
ہُوا ابلیس مرہونِ غم و آلام و بے تابی

اٹھا اور اُٹھ کے ہر کافر کے دل میں وسوسہ ڈالا
اٹھالو ہاتھ میں بندوق و تیغ و تبر و بھالا

نہ اُٹھو گے تو مٹ جاؤ گے میرے کفر کے بندو
کرو میوات پر حملہ سویرے کفر کے بندو

اٹھایا وسوسہ نے ظلم کے ہر اک پجاری کو
ٹھکانا مل گیا کافر کے دل میں بیقراری کو

سنی جب داستان میواتیوں کی فتح و نصرت کی
گدھی ہیں مجلسِ شورہی ہوئی اربابِ ظلمت کی
نہ کاشی کا نہ متھرا کا نہ تبت کا نہ شملے کا
زباں پر یہ تذکرہ تھا حامیانِ حق کے حملے کا
جواں مردانِ میواتی اگر روکے نہ جائیں گے
یہ شیرانِ بیابانی اگر ٹوکے نہ جائیں گے
لگا کر آگ ساری بستیوں کو خاک کر دیں گے
یہ بھارت ورش کو ہندو دھرم سے پاک کر دیں گے
اگر رہنا ہے زندہ مادرِ بھارت کی گودی ہیں!
کٹا دو سر بتوں کے واسطے غیرت کی گودی ہیں

نبی اور بچھو پر کفار کا حملہ

ضیائے صبحِ صادق نے نقابِ شب اٹھایا تھا
خمارِ نوم آنکھوں سے اُترنے بھی نہ پایا تھا

حیاتِ دل کا ساماں تھا افق آباد مشرق میں
سحر کا نُورِ خنداں تھا افق آبادِ مشرق میں

لٹاتی پھرتی تھی شبنم پڑی گوہر گلستاں میں
بہارِ کیف و مستی تھی جمالِ صبحِ خنداں میں

نسیمِ صبح کے جھونکوں میں پیغامِ مسرت تھے
گلوں کی چاک دامانی میں شہرستانِ نکہت تھے

ابھی دُنیا تھی سرگشتہ خمارِ خوابِ راحت میں
چلے چالیس ہزار انسان شیطان کی قیادت میں

سحر کے جھٹپٹے میں اسپ دوڑاتے ہوئے نکلے

پرستارانِ کفر و شر بھجن گاتے ہوئے نکلے

سوارانِ شتر مغرور تھے جوشِ جوانی میں

ہر اک پیدل تھا خوش لاف و گزاف و لن ترانی میں

چلے جاتے تھے بے خوف و خطر صحرا کی وادی میں

وہ سب کے سب تھے اِس خوش فہمی و خوش اعتمادی میں

مٹانا نام میوؤں کا نہیں میوات سے مُشکل

یہ کھیل ہم کو نہیں اک مختصر سی بات سے مُشکل

بڑھے بڑھتے گئے جا کر نئی پر کر دیا حملا

کہ سردی نے دسمبر کی مٹی پر کر دیا حملا

جواں مردانِ میواتی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے

گھروں سے سورما اپنے نکلنے بھی نہ پائے تھے

وُہ سرگشتہ و بے خود ہی رہے سب خوابِ غفلت میں
لگا کر آگ بستی خاک کر دی ایک ساعت میں

نئی کے واقعہ نے جوشِ دل کو اور بھڑکایا
یہاں سے جب بڑھے آگے تو پھر موضع بچھوڑ آیا

وُہ پہلے ہی سے خالی تھا مزاحم واں نہ تھا کوئی
کہ ہمدم اک محلے کے سوا انساں نہ تھا کوئی

عظیم الشان لشکر ناتواں جانوں سے کیا رکتا
یہ سیلابِ کبیر ان چند انسانوں سے کیا رکتا

ملا میووں پہ غلبہ جب غرورِ بت پرستی کو
جلایا آگ نے چشم زدن میں ساری بستی کو

جوانانِ نوگانوہ کا عزم

جواں مردانِ نوگانوہ کو تھا معلوم حال ان کا
نظر کے سامنے تھے ہر نوقربے اور مآل ان کا

انہیں معلوم تھا کفار کی طاقت زیادہ ہے
قلوب کامراں میں ہمت و جرأت زیادہ ہے

وہ آپے سے بھی باہر ہیں غرورِ کامرانی ہیں
نہیں گنتے کسی کو کچھ خمارِ نوجوانی ہیں

عظیم الشان ہے لشکر اس سے ٹکرانا نہیں اچھا
اسد کے سامنے بکری کا بل کھانا نہیں اچھا

کہا چند آدمیوں نے سنو اے گاؤں کے والی
یہی ہے مصلحت بستی کو ہم کر دیں ابھی خالی

یہ بچے اور مستورات سرحد پار کر جائیں!
جواں جتنے ہیں سب سب لڑیں اور لڑکے مر جائیں

پڑی یہ گفتگو جب سوربا چھرو کے کانوں میں
لگا کہنے کہ اتنی بزدلی اور نوجوانوں میں

بزرگوں کی شجاعت داغ لگنے کے نہیں قابل
ہمارا جوشِ جرأت داغ لگنے کے نہیں قابل

بزرگوں کے کبھی ہم کام کو گم کر نہیں سکتے
جو روشن ہو چکا اس نام کو گم کر نہیں سکتے

یہ نوگانوہ ہے اِس کا فتح کر لینا نہیں آساں
گل مقصود یاں دامن میں بھر لینا نہیں آساں

حدودِ ارض نوگانوہ میں کافر آ نہیں سکتے
اگر قسمت کے مارے آ گئے تو جا نہیں سکتے

زبانِ مصلحت کو کر دیا خاموش مہرو نے
جوانوں کے دلوں کو کر دیا پر جوش مہرو نے

مسلح ہو گئے سارے شہادت کے تمنائی
جواں مردانِ نوگانوہ نے مرنے کی قسم کھائی

●

نوگانوہ پر حملہ اور مقابلہ

جہاں اک لمحہ پہلے چار جانب ہو کا منظر تھا
وہیں حدّ نظر تک ایک انسانی سمندر تھا

ہزاروں بجلیاں سایہ فگن تھیں خلق کے خرمن پر
غرور و کبرِ شیطانی تھا اپنے پورے جوبن پر

وہ بر جو جس کو دشتِ کفر کا شیر جواں کہیے
وہی انساں جسے انساں نہیں فیل جہاں کہیے

وہ جس کا سر غرورِ فتح سے اونچا تھا لشکر میں
اچھلتا کودتا آتا تھا انسانی سمندر میں

بسنتی رنگ کا جھنڈا ہوا میں رقص کرتا تھا
وہ جس کے واسطے ہر نوجواں کٹ کٹ کے مرتا تھا

اِدھر لشکر سے گھوڑے کودتے صد ناز سے آئے
سوارانِ شتر آگے عجب انداز سے آئے

کئے فائر دمادم مسلموں نے جوشِ جرأت میں
کڑک کر گولیاں پہنچیں سپاہِ کفر و ظلمت میں

مٹے طوفان و طغیانی سمندر تھم گیا اِک دم
ہوئے فائر مسلسل جب تو لشکر تھم گیا اِک دم

بڑھا کر سامنے لے آئے سب کفّار توپوں کو
جمانے لگ گئے میدان میں خونخوار توپوں کو

ابھی توپوں کو وُہ آراستہ کرنے نہ پائے تھے
وُہ بندوقوں میں بھی بارود تک بھرنے نہ پائے تھے

قدم جمنے نہ پائے تھے ابھی ان خستہ حالوں کے
لگے ہونے مسلسل فائرنگ اسلام والوں کے

ہُوا سب جوش ٹھنڈا لشکرِ اصحابِ ظلمت کا
نہیں ٹھہرا قدم میداں میں اربابِ ضلالت کا

سرِ میدان تخمِ بزدلی بونے لگے سارے
بایں ساماں بایں کثرت فرار ہونے لگے سارے

برجو پنڈا کا قتل اور میوؤں کی فتح

کسی گولی نے زخمی کر دیا برجو بہادر کو
غم و خوف و الم سے بھر دیا برجو بہادر کو

جواں ستر تھے بس پنڈا کے سچے جاں نثاروں میں
یہی کچھ اہل غیرت تھے فقط چالیس ہزاروں میں

جواں ہمت جواں نامِ خدا ابھرو کا دستہ تھا
جوانوں کے جواں رخ پر جلالِ خوں برستا تھا

عجب تھا حال مردانِ خدا کے جذبۂ دل کا
تعاقب کرتے جاتے تھے پرستارانِ باطل کا

غم و خوف و الم کے ضعف سے بھاگا نہ جاتا تھا
وہ بھاگے جا رہے تھے خوف سے بھاگا نہ جاتا تھا

جو غالب تھے انہیں ہیں شانِ مغلوبی نظر آئی
کہ حق کی تیغ خونِ کفر میں ڈوبی نظر آئی

جواں مردانِ مہرو نے نشانہ تاک کر مارا
اجل نے پیلتن نیٹڈا کو اپنا کر لیا پیارا

کہا گرتے ہوئے بر جو نے اپنے جاں نثاروں سے
بچو تم بھاگ کر میوؤں کی تیغوں سے کٹاروں سے

نہ تھا اب نام اعدا کا نشاں باقی نہ جھنڈا کا
جواں مردوں نے دم بھر میں لیا سر کاٹ نیٹڈا کا

یہ تھی امدادِ غیبی خالق کل جگ کے مولا کی
یہ تھی تفسیر اِنَّ الباطِلَ کَانَ زھُوقاً کی

گڈھی کا جلانا

دلِ شفّاف میں ارمانِ خود غرضی نہ خود کامی

گڈھی پہنچی رضائے حق کی خاطر فوجِ اسلامی

وہاں پہلے ہی وحشت چھا چکی تھی گاؤں والوں پر

جواں مردانِ حق نے رکھ لیا جاتے ہی بھالوں پر

وہی بستی جو جنت گاہِ فرزندانِ آدم تھی

وہی اب شعلہ ہائے آتشیں کا اک جہنم تھی

تنِ کفار کی ہر چار سو فانشیں ہی فانشیں تھیں

گلی کوچوں میں حسن جا ذ لکھئے لاشیں ہی لاشیں تھیں

یہ منظر دیکھ کر سورج چھپا مغرب کے داماں میں

ترانے حمد کے گونجے جواں مردوں کے میداں میں

بسر کی شب گڈھی میں سرفروشانِ مجاہد نے

نوازا کامرانی سے انھیں یاں ربِّ واحد نے

کابل پر حملہ اور واپسی

افق آبادِ مشرق میں شہِ خاور کی آمد تھی
ضلالت زارِ شب میں مصحفِ اکبر کی آمد تھی

سحر کی حور نے اُٹھا نہ تھا رخ سے نقاب اپنا
چھپا رکھا تھا شب کے جھٹپٹے میں اضطراب اپنا

گرفتارانِ عشقِ حق بصد انداز و ناز اُٹھے
پرستارانِ دینِ کبریا پڑھ کر نماز اُٹھے

بڑھے بڑھتے گئے پہنچے حدودِ ارضِ کابل میں
ہزاروں بجلیاں تھیں اس جلالِ حق کے بادل میں

تڑپ کر برقِ سوزاں جب گری کامل کی بستی پر
بنا ڈالا جہنم زار ارض بت پرستی پر
ابھی بھڑکی نہیں تھی آگ ظلمت زار شیطاں ہیں
مزاحم ہو گئی افواج یوپی آ کے میداں ہیں
شہیدانِ وفا کی روح پہنچی آسمانوں پہ
دنا دن کر دئے فائر مشینوں سے جوانوں پہ
بچائے فوج یوپی نے غضب سے کفر کے جائے
جواں مردان غازی الٹے نوگانوہ کو لوٹ آئے

نوہنیرہ میں فوج کا کیمپ

ہوئی جب اطلاع اس کی بھرتپور کی حکومت کو
کہ میوؤں نے بھگایا لشکر ارباب ظلمت کو

غم و دہشت سے کانٹا ہوگئی نہ حال تھا دل کا
تعین کر دیا نوہنیرہ میں افواجِ باطل کا

وہ فوجِ کفر جس میں صاحب ایماں نہ تھا کوئی
شبِ تاریکِ بدعت میں مہ تاباں نہ تھا کوئی

کمان افسر سحر کو روز نو گانوہ میں آتا تھا
بظاہر امن و راحت کی تسلّی دیے جاتا تھا

سانچولی کی پنچایت

ہوئی اک مجلسِ شوریٰ جواں مردوں کی سانچولی
اکٹّھے ہو گئے جب سب تو پھچی نے زباں کھولی
نشیمن بزدلی کا ہے فقط آغوش جاٹوں کی
مجھے معلوم ہے رفتارِ نبض جونس جاٹوں کی
مجھے معلوم ہے طاقت ہے جتنی ان کے بازو میں
مجھے معلوم ہے قوّت ہے جتنی ان کے بازو میں
میں یہ بھی جانتا ہوں کتنے مردانِ دلاور ہیں
مجھے معلوم ہے ہم میں سے کتنے قوم پرور ہیں
جواں مردانِ نوگانوہ بہادر میو ہیں سارے
زمینِ ہند پر انساں نہیں وہ دیو ہیں سارے

ظفریابی کا سہرا سر پہ بندھ جانا نہیں ممکن
بغیر فوج نوگانوہ سے جیت آنا نہیں ممکن
بتاؤ تم میں پنڈا سا پہلواں آج ہے کوئی
جواں ہمت بہادر مرد دوراں آج ہے کوئی
اگر تم چاہتے ہو ان سے لینا انتقام اپنا
اگر دنیا میں کرنا چاہتے ہو تم بھی نام اپنا
چلو جلدی بھرتپور کو ابھی سارے ملو جا کر
یہ بہتر ہے مہاراجہ سے تم سارے کہو جا کر
کرو تیار اس کو خون میوؤں کا بہانے کو
وہ فوجیں بھیج دے نوگانوہ والوں کے مٹانے کو
اٹھے سب جاٹ مردانِ جری لے لے کے انگڑائی
سبھا میں آج سب کو بات اچھی کی پسند آئی

جاٹوں کی مہاراجہ بھرتپور سے

درخواست

سحر کو جب اُٹھے تو لے لیا رستہ بھرتپور کا
دیا سارے جوانوں نے ثبوت اپنے تدبّر کا
ہوا ہو کر گئے تھے انتقامی جوش وحشت میں
پہنچ کر سب لگے جاکر مہاراجہ کی خدمت میں
رئیسِ شہر نے دیکھا تو پوچھا کیا ہوا تم کو
یہ کیسا کس طرح کا کس لئے سودا ہوا تم کو
بنے پھرتے ہو کیسے وحشی و دیوانے بتلاؤ
سنانے کے لئے لائے ہو کیا افسانے بتلاؤ

کہا برباد کر ڈالا ہے میواتی دلیروں نے
چبا ڈالے ہیں صدہا جاٹ اِن خونخوار شیروں نے

دیا کرتے ہو بیٹھے داد ان محلوں ہیں عشرت کی
خبر لیتے نہیں ہو کچھ بھی تم اپنی ریاست کی

سنو اے ان ّ داتا تم اگر اب بھی نہ سنبھلو گے
بہارستانِ عشرت سے اگر اب بھی نہ نکلو گے

بہادر میو نام ان تیرے جاٹوں کا مٹا دیں گے
ترے عشرت کدے کو اپنے نعروں سے گرا دیں گے

نہ ہوں گی کارگر تیرے لئے پھر تیری تدبیریں
ترے تازہ لہو کو چوس لیں گی ان کی شمشیریں

یہی بہتر ہے تم اس وقت سے پہلے سنبھل جاؤ
بہت غافل رہے اب وقت بدلا ہے بدل جاؤ

سرِ میدان بزدل جاٹ بھاگے چھوڑ کر جھنڈا
جواں مردانِ نوگانوہ نے مارا سور ما پنڈا

مسلح فوج بھیجو جا کے نوگانوہ کو پھونک آئے
مآلِ کارِ خونخواری کا جو ہے لطف آ جائے

نوگانوہ پر دوسرا حملہ

کہیں فوجیں بھرتپور کی کہیں جاٹوں کا لشکر تھا

حدودِ ارضِ نونیرہ میں انسانی سمندر تھا

بڑھا آتا تھا نوگانوہ کی جانب لشکرِ دشمن

چڑھا آتا تھا نوگانوہ کی جانب لشکرِ دشمن

درختوں سے اڑے سُن سُن کے توپوں کی گرج طائر

قریب آئے جو میوؤں کے دنادن کر دئے فائر

سرِ میداں مشینیں آگ برسانے لگیں ہر سو

کڑکتی گولیاں جسموں کو برمانے لگیں ہر سو

دھوؤں کا چھا گیا بادل فضائے آسمانی میں

متاعِ زیست تھی آغوشِ مرگِ ناگہانی میں

قیامت زا گرج سے ہل گئی ارضِ خداوندی
لہو سے ہو رہی تھی ذرہ ذرہ کی حنا بندی

سکونِ امن و راحت گم تھا اِن جنگی ترانوں میں
اجل لیتی تھی سانس ہمرازِ توپوں کے دہانوں میں

بڑھا ہر شیر سرشارِ خمارِ لَاتَخَفْ ہو کر
شہادت کی تمنّا میں بڑھے سب سر بکف ہو کر

نہ تن، من، دھن نہ مرگ و زندگی کا ہوش تھا ان کو
رہِ خالق میں مرنے کا جنونِ جوش تھا ان کو

بڑھے چشم زدن میں لشکرِ دشمن میں جا پہنچے
اُٹھے اور رکا نہ زارِ آتش و آہن میں جا پہنچے

وُہ نعرہ ہائے تکبیری وُہ شیروں کی جگرداری
یہ منظر دیکھ کر دشمن پہ دہشت ہو گئی طاری

سیہ کارانِ بدعت ہو گئے مفرور میداں سے
رذالانِ ضلالت ہو گئے مفرور میداں سے
خدا نے آبرو رکھ لی جوانانِ صداقت کی
رہی میدان میں تو توپ اربابِ ضلالت کی
تعاقب کر رہے تھے شیر افواجِ بھر تپور کا
نکل کر رہ گیا تھا جن کے دیوالہ تدبّر کا
خدا والے جو تھے وہ شیر کی مانند پھرتے تھے
پرستارانِ باطل ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے
دکھایا معجزہ کچھ بھی نہ آلاتِ فرنگی نے
بڑھے اور آگ دیدی کیمپ میں مردانِ جنگی نے
ہوا میدان خالی جس گھڑی اربابِ باطل سے
نفر فوا ہو گیا دشمن کا لشکر جب مقابل سے

غلط فہمی کے میوؤں کی نتیجے یوں ہوئے ظاہر
کہیں گاہوں سے ہرا یوان کہنہ کی ہوئے فائر
جوانانِ صداقت پھنس گئے تھے سخت خطرے میں
پرستارانِ وحدت پھنس گئے تھے سخت خطرے میں
ہوئے لیسپا تو حملہ کر دیا فوجی جوانوں نے
شہادت کا دیا در کھول توپوں کے دہانوں نے
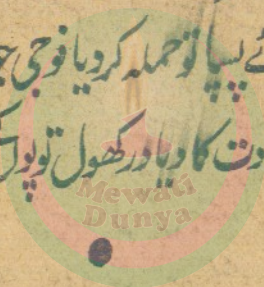
نوشاہ شہید

وہ مردِ سورما شیدائے ملّت نوجواں ہمنشی
شہیدانِ محبّت کا امیرِ کارواں ہمنشی

وہی دولہا دلہن کا جس نے گھونگٹ بھی نہ کھولا تھا
جو دو بول اپنی محبوبہ سے الفت کے نہ بولا تھا

رسومِ فرحتِ شادی بجانی تھی جسے آکر
محبّت کی کہانی بھی سنانی تھی جسے آکر

بہارستانِ خلوت میں ترانے جس کو پڑھنے تھے
دلہن کی چشمِ الفت کے فسانے جس کو پڑھنے تھے

محبّت کی دلوں میں اک نئی دنیا بسانی تھی
جسے خلوت کے جھولے میں حسیں پینگیں بڑھانی تھی

محبّت کے جیسے اقوالِ خشر انداز کہنے تھے
عروسِ نو سے خلوت میں جیسے کچھ راز کہنے تھے

وہی دولہا دلہن گھر منتظر تھی جس کے آنے کی
امنگیں گدگداتی تھیں جیسے رنگین زمانے کی

پیا جامِ شہادت اور پی کر سو گیا دولہا
بہشتِ امن و راحت کو روانہ ہو گیا دولہا

رُخِ روشن پہ انوارِ تبسّم اس کے ظاہر تھے
لبِ خنداں پہ آثارِ تکلّم اس کے ظاہر تھے

وہ گویا کہہ گیا ہنس کر فسانہ عشق و اُلفت کا
دمِ آخر گیا گا تا ترانہ عشق و اُلفت کا

نوگانوہ کا جلنا

ہُوا الٰسین بھی شامل شہیدانِ محبّت میں
ضعیف العمر خیدہ خاں بھی پہنچا باغ جنّت میں

جہاز و نبلہ بھی منجملۂ جنّت مکانی تھے
مجاھد سائیں صاحب خلد و فردوس آشیانی تھے

وُہ اپنی طالب علمی میں بھی اہلِ تدبّر تھا
مجاہد مردِ غازی تھا دلاور تھا بہادر تھا

ہوئے پسپا تو ہمدم ہو گئے واں منتشر سارے
رہِ حق میں شہادت کے تھے منتظر سارے

بالآخر پسپا ہوتے ہوتے نوگانوہ میں آ پہنچے
جو زندہ رہ گئے تھے مسکن وماویٰ ہیں آ پہنچے

بجھاتے تشنگی اپنی شراب مرگ نوشی سے
یہ مٹھی بھر مجاہد لڑ رہے تھے سر فروشی سے
یہ چند انساں تھے جھیلی جن نے ٹکر لاؤ لشکر کی
یہی تنکے رو کی جن نے طغیانی سمندر کی
یہ تنکے تیرتے پھرتے تھے بحر بت پرستی ہیں
ادھر سے آگ دیدی دوسرے لشکر نے بستی ہیں
ملی جب کفر کی وہ فوج تو یہ واں سے ٹل آئے
جواں مردانِ غازی چھوڑ کر بستی نکل آئے
جلایا اِس طرح نوگانوہ کو افواج باطل نے
ڈبویا بستئ مشہور کو امواج باطل نے

مجاہد خاتونِ میوات کے جیات افروز جملے

خبر جب والدہ کو پہنچی بنشی کی شہادت کی
چراغِ بزمِ حق خلد آشیانِ عشق و الفت کی

ترا نوشاہ بیٹا ہوگیا نوشاہِ فردوسی
بہشتی حور کرتی پھر رہی ہیں اس کی پابوسی

یہ سن کر والدہ چیخی نہ پیٹی اور نہ گھبرائی
اٹھی اور اٹھ کے اک مردِ مجاہد کے قریب آئی

کہا تبلا کیا بھی کچھ مرے فرزند دولہا نے
جواں مردی نہ کھائی بھی مرے دلبند دولہا نے

کئے بھی قتل دشمن اس نے رن میں سربکف ہو کر
بزرگوں کا رہا بھی حاملِ عزّ و شرف ہو کر

مجاہد نے کہا سن اے وزیرہ ی تیرے بیٹے نے
تھا سمجھا تیغ کو تارِ حریرہ ی تیرے بیٹے نے
سرِ میدانِ دشمن سے وہ بڑھ بڑھ کر لڑا سب سے
کہ ہر اک معرکے میں بس وہی آگے رہا سب سے
جدھر پڑتا تھا دشمن اس طرف سے بھاگ جاتے تھے
وہ دہشت تھی کہ اس کے آگے فوجی تنگ آتے تھے
کہا سن کر وزیری نے خدایا شکر ہے تیرا
ترے اسلام پر جان اپنی بیٹا دے گیا میرا
شہیدوں کی صفوں میں میرے بیٹے کا بھی نام آئے
جنا تھا اس لئے میں نے کہ دینِ حق کے کام آئے

دلہن کی حالت

دلہن نے بھی لیا سُن تذکرہ اُس کی شہادت کا
چراغِ عشق و اُلفت تھا جو اس کی بزمِ خلوت کا

جواں من کی امنگیں مر نہ ہو کے رہ گئیں من میں
حسیں آنکھوں کے آنسو جذب ہو جاتے تھے دامن میں

دھندلکا چھا گیا غم کا مسرّت کے فسانوں پہ
لبِ خاموش کی فریاد پہنچی آسمانوں پہ

محبّت کی حسیں دُنیا اجڑ کر رہ گئی یکسر
کہ آشاؤں کی قسمت ہی بگڑ کر رہ گئی یکسر

جوانی کی امنگوں میں ضعیفی آ گئی یک دم
بہارستانِ ہستی پہ خزاں سی چھا گئی یکدم

دلِ مغموم کے گوشہ میں ارمانوں نے دم توڑا

حیاتِ نوجواں کے تازہ افسانوں نے دم توڑا

تمنّاؤں کی دُنیا لوٹ لی اک نامرادی نے

اجیرن زیست کر دی حسرتِ غمگین شادی نے

رُخِ دوشیزگی کی تازگی مرجھا گئی غم سے

کہ اس بیکس کی ساری زندگی مرجھا گئی غم سے

مگر خاموش تھی خاموش رہنا ہی مناسب تھا

خمارِ یاس سے مدہوش رہنا ہی مناسب تھا

•

شبِ خون

جواں بستی کے جلنے سے بہت بیتاب رہتے تھے
خروشِ انتقام و جوش کے دریا میں بہتے تھے

مواقع ڈھونڈتے پھرتے تھے لینے کو قصاص اس کا
کیا کرتا تھا ہر دم تذکرہ ہر عام و خاص اس کا

اُٹھے اِک رات شبخوں مارنے کے عزمِ خونیں سے
خدا کے دین پر جاں وارنے کے عزمِ خونیں سے

وہ بھور یخاں وہ مرد سورما جس کی امارت میں
جواں مردوں نے ہلچل ڈالدی تھی فوجِ بدعت میں

جواں مردانِ حق سے یوں لگا کرنے خطاب اُٹھ کر
ہمیں نذرِ اجل کرنے ہیں یہ عمر اور شباب اُٹھ کر

شہادت کے لئے جاتے ہیں ہم آنا نہیں واپس
خدا چاہے تو لائیں ورنہ سر لانا نہیں واپس
خدا کے راستے میں جستجوئے مرگ ہے ہم کو
نہ پوچھو کیوں جنونِ گفتگوئے مرگ ہے ہم کو
اجل ہے جس کے دل کو بیقراری ہو وہ رک جائے
شہادت سے جسے جاں اپنی پیاری ہو وہ رک جائے
مسلح ہو گئے جانباز بیتالیس چلنے کو
خموشی سے اندھیرے میں سرِ باطل کچلنے کو
خمارِ خود فراموشی و کیفِ جامِ وحدت میں
یہ غازی بڑھ رہے تھے خامشی سے شب کی ظلمت میں
بڑھے بڑھتے گئے پہنچے حدودِ ارضِ باہی میں
غضب کا جوش تھا ان چند مردانِ الٰہی میں

دلوں میں انتقامی جوش تھا ہاتھوں میں شمشیریں
جبینوں پر چمکتی تھیں ظفرمندی کی تحریریں
کرشمے دیکھئے تحریرِ قسمت کی سیاہی کے
سکوتِ مرگ رقصاں تھا گلی کوچوں میں پاپی کے
جواں مردانِ غازی گھس گئے تکبیر کہہ کہہ کر
خموشی دور پہنچی چشمۂ آوازہ میں بہہ کر
طلسمِ نوم ٹوٹا جاگ اٹھے اربابِ ظلمت بھی
شیاطینِ ضلالت بھی پرستارانِ بدعت بھی
مسلح ہو گئے کفار بھی لڑنے لگے سارے
گلی کوچوں میں تازہ خوں کے بہنے لگے دھارے
ادھر ابلیس کا لشکر جواں مردانِ پاہی تھے
ادھر یہ چند انساں ربِّ اکبر کے سپاہی تھے

بلا کا زور پیدا ہو گیا اِن ناتوانوں میں
لڑے اس سرفروشی سے چھپے دشمن مکانوں میں
نہ چھوڑا ایک گھر بھی قریۂ باطل پرستی میں
لگا دی منچلوں نے آگ چاروں سمت بستی میں
قلوبِ کفر میں آلام کی دُنیا بسا آئے
یہ پینتالیس انساں ساری بستی کو جلا آئے

جزیرہ پر شبخون

گذارے چند دن امن و سکوں سے نوجوانوں نے
علمدارانِ ملّت نے خُدا کے راز دانوں نے

پڑے شبخوں اُٹھے پھر ایک دن شب کی سیاہی ہیں
بلا کا جوش و جذبہ تھا خُدا کے ہر سپاہی ہیں

سرورِ خود فراموشی کا وُہ عالم ارے توبہ
بہارِ شادمانی کا حسیں موسم ارے توبہ

بڑھے جاتے تھے لیکن سب کو ٹھکراتے ہوئے غازی
چلے جاتے تھے راہِ حق ہیں اٹھلاتے ہوئے غازی

ٹپکتا تھا جلالِ عشق ان کی بے نیازی سے
نہ تھا ان کو گلہ کچھ رات کی دامن درازی سے

چلے تھے سر کٹانے لذتِ دیدار کی خاطر
تلاشِ مرگ میں نکلے تھے وصلِ یار کی خاطر

بڑھے بڑھتے گئے غازی جواں پہنچے جزیرہ میں
سیہ شب میں خدا کے رازداں پہنچے جزیرہ میں

یہ غازی سر بکف دیکھے جونہی افواجِ باطل نے
ہوا فق رنگِ رخ سب کا کلیجے لگ گئے ہلنے

ہوئے یورش بڑھے جب صف شکن شمشیر زن مسلم
شہادت کے تمنائی نگہدارِ وطن مسلم

محاذِ جنگ سے بھاگی سپاہِ کفر گھبرا کر
جواں مردوں کی دہشت سے مکانوں میں گھسی جا کر

فضائے آسمانی میں سیہ بادل گرجتے تھے
زمیں پر غازیانِ حق سرِ مقتل گرجتے تھے

جلے کتنے ہی گھر طوفانِ آتش کے تھپیڑے ہیں

سپاہِ حق نے جس دم آگ دی بڑھ کر جبہ بیڑے ہیں

زمیں پر آگ کی جس وقت دیکھی حشر آثاری

سیہ بادل نے کر دی آسماں سے ندیاں جاری

خدائے دو جہاں کی مہربانی نے بجھا ڈالا

بھڑکتی آگ کو بارش کے پانی نے بجھا ڈالا

دیارِ کفر سے بوٹے مٹا کر دل کی بیتابی!

شرں پر سایہ افگن تھی جوانوں کی ظفریابی

•

گودھان کی جنگ

فضائے ہند کی رنگینیاں مفقود تھیں ساری
ہوائیں شورش فتنہ سے سم آلود تھیں ساری
کسی جا بھی نہ تھا تسکین کا نام و نشاں باقی
فقط میوات تھی جس میں تھا کچھ امن و اماں باقی
نہ چھوڑے جس نے باقی صاحب ایماں نہ زناری
ادھر بھی آ پڑی شر و فتن کی ایک چنگاری
وہ چنگاری جو موضع ڈیری بیری بیچ سلگائی
بھڑک شدت کی اس نے دامن گودھاں میں پائی

حکومت وُہ حکومت جس کو رہنا غیر جانب تھا
وُہ جس کا جنگ میں حِصّہ نہ لینا ہی مناسب تھا

برتنا چاہئے تھا اک جیسے سارے مذاہب کو
جسے ہرگز نہ جھکنا چاہئے تھا ایک جانب کو

ہوئی تیار ہر مُسلم پہ اب بیداد کرنے کو
اُٹھی وُہ ہندوؤں کی ہر جگہ امداد کرنے کو

الور و گوڑگانوہ کے ہندؤں

اَور فوجوں کی چڑھائی

چلی آتی تھیں آگے جیپ کاریں فوج والوں کی
چمکتی تھی انیؔ پیچھے کٹاروں اور بھالوں کی
کرن سورج کی چمکاتی تھی تلواروں کی دھاروں کو
کڑک بندوق کی گونجارہی تھی کوہساروں کو
ہوائیں سمیت تھی اور فضاؤں میں اداسی تھی
ہر اک تلوار ان میں خونِ انسانی کی پیاسی تھی
ہر اک نیزہ تھا حرکت میں کلیجہ چاٹ جانے کو
ہر اک برچھی نظر آتی تھی مضطر سر اڑانے کو

وُہ اسلحہ جات سرکاری تمدّن کی وُہ ایجادیں
کڑک سے جن کی ہل جاتی ہیں کہساروں کی بنیادیں
سکون و امن کی بستی کو ویرانہ بنانے کو
وُہ لائے جا رہے تھے حرف ہیوؤں کے مٹانے کو
وُہ لشکر ہندوؤں کا الور و گوڑگانو کی فوجیں
وُہ باطل کے سمندر کی تڑپتی سی ہوئی موجیں

بہادرانِ میوات کی چڑھائی

ادھر شیران میواتی وہ پیکر عزم و ہمّت کے
وہ پتلے آہنی جرأت اخوت اور شجاعت کے
یہ وہ کہسار تھے لپٹے ہوئے ٹوٹے لبادوں ہیں
تزلزل آنہ سکتا تھا کبھی جن کے ارادوں ہیں
بہادر سوندھ والے جن کی جرأت سب پہ ظاہر تھی
وہ جن کی تیغ سر تن سے جدا کرنے ہیں ماہر تھی
وہ مردان جری وہ اہلِ ہمّت گوالدے والے
جنہوں نے کفر و بدعت کے کلیجے چھلنی کر ڈالے
وہ گھاسیڑہ کے اشجع جن کی تیغ حق پرستی نے
اڑا ڈالے پرخچے ظلم و استبداد و بدعت کے

جواناں نعرہ دی کا چڑھے تکبیر کہہ کہہ کر
صدا سے گونج اٹھتا تھا بیاباں جن کی رہ رہ کر

وہ سارے کے بہادر جن کے نعروں کی صداؤں سے
ٹپک پڑتی تھی اک ہیبت سی میدانی فضاؤں سے

جواں چوپان کی ڈالے بڑھے ذوقِ شہادت میں
کہ پہلے سر کٹا دیں آج میدانِ محبّت میں

جنگ

یکایک گولیوں سے گونج اٹھی وادی پہاڑی کی
لگی برباد ہونے دم میں آبادی پہاڑی کی
وہ پیاری پیاری شاخیں وہ درختوں کے حسیں پتے
لگے جل جل کے گرنے شاخ سے سوئے زمیں پتے
وہ وادی جو گھڑی پہلے جو مسکن تھی پرندوں کا
وہاں اب جمگھٹا تھا پھاڑنے والے درندوں کا
کڑکتی گولیاں سینوں کی ہڈی توڑ دیتی تھیں
یہ عالم تھا بدن کو روح دم میں چھوڑ دیتی تھیں
ہزاروں زخمیوں کی روح پانی کو ترستی تھی
مشینوں سے زمیں پر سینکڑوں گولی برستی تھی

دھوئوں کا ابر بن کر چھائے جاتا تھا فضاؤں میں

ہلاکت ہی ہلاکت اڑتی پھرتی تھی ہواؤں میں

عدو کی گولیاں سینوں پہ خود بڑھ بڑھ کے لیتے تھے

شہیدانِ محبت مسکرا کر جان دیتے تھے

وہ ہنگامے وہ گھبراہٹ وہ ہیبت ناک نظارے

پرندے آشیانوں سے فرو ہو گئے سارے

وہ نقاروں کی آوازیں صدائیں تشنہ کاموں کی

وہ ہر مومن کے دل میں یادِ حق کے پاک ناموں کی

وہ میداں تھا لڑائی کا کہ وادی تھی جہنم کی

تڑپتی پھر رہی تھی لاش فرزندانِ آدم کی

●

شہیدِ ملّت کی حیران کُن جرأت

نجر دی کے کا وُہ مردِ جری وُہ نوجواں چاہت
شہیدانِ محبّت کا امیرِ کارواں چاہت
عزائم کا وُہ کوہِ آہنی، پتلا شجاعت کا
وُہ پیکر جوشِ جرأت کا شناورِ بحرِ ہمّت کا
وُہ جس کا نام سُن کر رُوحِ اعدا کانپ جاتی تھی
وُہ رستم جس کے آگے رستمی بھی سر جھکاتی تھی
جو دیکھی دشمنانِ قوم و ملت کی ستم رانی
بڑھا آگے کو وُہ مردِ خدا وُہ طارقِ ثانی
بڑھا جاتا تھا وُہ رکتا نہ تھا بڑھتا ہی جاتا تھا
پہاڑی پر وُہ مردِ آہنی چڑھتا ہی جاتا تھا

نہ ہو سکتے تھے حائل راہ میں خوف و خطر اس کی
مشینوں پر جمی تھی ہٹ نہ سکتی تھی نظر اس کی
کڑکتی تھیں مشینیں جب تو فوراً لپٹ جاتا تھا
اُبلتے آب کی مانند دل میں جوش کھاتا تھا
وہ ضیغم نام پہ جس کے فلک بھی صدقے ہوتا ہے
وہ جس کے واسطے میوات کا ہر فرد روتا ہے
چمکتی برق قدموں پہ فدا ہو ہو کے گرتی تھی
وہ جسکی خود اجل ہی پاسبانی کرتی پھرتی تھی
وہ جس کے سر پہ سایہ کر رہی تھیں رحمتیں حق کی
لگاتی تھیں جسے سینے سے اپنے نصرتیں حق کی
فدا ہوتے تھے گوہر جس کے چہرے پر پسینوں کے
بڑھا اتنا بڑھا نزدیک جا پہنچا مشینوں کے

تسلّی سے پسینے پونچھ کر چہرے کے دامن سے
اُٹھا جب اس ارادے سے کہ چھینے گن کو دشمن سے
کسی دشمن کی نظریں جا پڑیں اس حق کے ضیغم پر
دنادن کر دئے فائر زمانہ بھر کے رستم پر
لگی گولی جبیں پر گر پڑا جھٹ شیر یزدانی
لہو سے ہو گئی رنگین وہ پُر نور پیشانی
بتایا چاہئے اس طرح مرنا ہر مسلماں کو
حوالے خندہ روئی سے اجل کے کر دیا جاں کو
لڑے یوں ضیغم میوات و مردانِ خدا ڈٹ کر
ہزاروں دست و سر بکھرے پڑے تھے تن سے کٹ کٹ کر
تباہی تباہی تھی ہلاکت ہی ہلاکت تھی
جہاں میدان جنگی تھی وہاں وحشت ہی وحشت تھی

کٹے اتنے جری لاشوں سے میداں بھر دیئے آخر
مشینوں نے جواں مجبور و بے بس کر دیئے آخر
گنوں کی گولیوں نے ہر طرف برپا قیامت کی
چلی واں کچھ نہ ہمت کی شجاعت کی نہ جرأت کی

پنجگانوہ کی جنگ

خبر اس واقعہ کی جس گھڑی میوؤں نے سُن پائی
اُٹھے پھر ضیغم میوات سب لے کے انگڑائی
نشانات جلال طیش رُخ پر رقص کرتے تھے
وُہ انساں تھے مگر شیران صحرا ان سے ڈرتے تھے
دلوں میں انتقامی جذبہ کی بجلی کڑک اٹھی
حمیت جوش میں تھی آتش غیرت بھڑک اٹھی
اہیروں سے نہیں گر لے سکے ہم انتقام اپنا
تو گویا اپنے ہاتھوں سے ڈبویا ہم نے نام اپنا
ملایا خاک میں اجداد و آبا سب کی عظمت کو
لگایا داغ ہم نے آپ ہی اپنی شجاعت کو
دمک اٹھے دلوں میں جوش اور جرات کے انگارے

یہ کہہ کر چل دیے سب سوٹ پے بچہ گانوہ جواں سارے

اِدھر سے بڑھ رہے تھے سورما سب گوالڈہ والے

جنہوں نے برچھیوں سے پھوڑ ڈالے کفر کے چھالے

فضا میں اپنی تکبیروں کو گونجاتے ہوئے نکلے

دلیران دھلاوٹ اسپ دوڑاتے ہوئے نکلے

ادھر سے آرہے تھے سوندھ کے ساونت اُٹھلاتے

ادھر سے اشجع سارہ چلے آتے تھے بل کھاتے

ادھر سے ضیغم آرہ بزغرّاتے ہوئے آئے

شکوہ الذلی کو دم ہیں ٹھکراتے ہوئے آئے

جوانان بہیانا سربکف مردان غازی تھے

جری تھے اہل ہمّت تھے مجاہد تھے نمازی تھے

سمجھ رکھا ہے ناممکن جسے آسان ہو جائے لڑیں گے اس طرح یہ ہند پاکستان ہو جائے

ہندوؤں کی چڑھائی

خبر پہنچی اہیرزل کو تو گھبرانے لگے سارے
سُنا جب نام شیروں کا تو تھرانے لگے سارے

لکھے خط سینکڑوں قاصد ہزاروں جھٹ سے دوڑائے
خبر ہو جائے ہر ہندو کو سارے میو چڑھ آئے

یہ مضمون تھا خطوں کا پہنچو سب امداد کرنے کو
بہادر میو آتے ہیں ہمیں برباد کرنے کو

ہمارے خط کو سُن کر بھی اگر جلدی نہ آؤ گے
یقیں جانو کہ تم ہم کو یہاں زندہ نہ پاؤ گے

سُنا مضمونِ خط جس دم حواس و ہوش کھو بیٹھے
زبانوں پر لگیں مہریں کہ سب خاموش ہو بیٹھے

پھنسایا خط نے لوگوں کو پریشانی و آفت میں
لرز کر رہ گئے دل سینہ ہائے کفر و بدعت میں

اٹھے طوعاً و کرہاً آگے بڑھنے کے ارادے سے
سوئے بچگانوہ سب میوؤں پہ چڑھنے کے ارادے سے

جوانانِ حصار آتے تھے تلواروں کو چمکاتے
بڑھے آتے تھے ہانسی کے جواں گھوڑوں کو دوڑاتے

ادھر سے لشکرِ رہتک چلا آتا تھا بل کھا کر
ادھر سے سارا ابیگھوتا امنڈ آیا تھا غرّا کر

●

جنگ

مقابل دونوں لشکر جب ہوئے تیغیں چمک اٹھیں
دنادن گولیاں نکلیں یوں بندوقیں کڑک اٹھیں

سروں پر پڑ رہی تھیں رن میں خوں آشام تلواریں
دمادم زندگی کا کر رہی تھیں کام تلواریں

بلا کا خوف رقصاں تھا بیاباں کی فضاؤں میں
قیامت خیز ہنگامہ بپا تھا سورماؤں میں

دلیرانِ دھلاوٹ بڑھ رہے تھے جوش و جرأت سے
ادھر کو اہلِ سارہ لڑ رہے تھے پوری شدت سے

ادھر کو چل رہی تھیں گوالدہ والوں کی شمشیریں
ادھر کو باڈلا والوں کے ہونٹوں پہ تھیں تکبیریں

کھٹا کھٹ بج رہی تھیں فرشیاں میدان رزمی میں
دنادن چل رہی تھیں گولیاں میدان رزمی میں
فضاؤں میں حکومت تھی وہاں پر شور پیہم کی
پڑی تھیں ٹھوکروں میں نعشیں فرزندان آدم کی
ہوئیں چھپ رہی تھی تیغ و تلواروں کی تابانی
زمیں پر بہہ رہا تھا چار جانب خونِ انسانی
دلاور نوجوان میوات کے وہ آہنی پتلے
اُڑاتے پھر رہے تھے سر تنوں سے اپنے اعدا کے
کمانیں ہاتھ میں پاؤں میں قوت دل میں جرأت تھی
نہ ڈر تھا زخم لگنے کا نہ مرجانے کی دہشت تھی
جو دیکھی رن میں میوؤں کے شجاعوں کی جگرداری
صف اعدا پہ دہشت چار جانب ہوگئی طاری

ہوئی قدموں کو لغزش دل میں ٹھانی بھاگ جانیکی
دلیروں کی کڑکتی گولیوں سے جاں بچانے کی

وہ بھاگے جارہے تھے رن سے پر بھاگا نہ جاتا تھا
کسی صورت اجل کے دام سے نکلا نہ جاتا تھا

صفیں جسدم ہوئی برہم بہت کفار گھبرائے
بہادر میو اک سیلاب کی مانند بڑھ آئے

لگا دی آگ بچگانوہ میں میواتی دلیروں نے
ملائے خاک میں دشمن ہزاروں بڑھ کے شیروں نے

●